تعمیر حیات

پندرہ روزہ

لکھنؤ

مردِ مومن

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز — اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیالِ عظیم — اس کا سُرور اس کا شوق اسکا نیاز اسکا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب وکار آفریں، کار کُشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دل فریب اسکی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقین — اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

(اقبالؒ)

فی پرچہ: ایک روپیہ
سالانہ چندہ: بیس روپے
۱۰ر دسمبر ۱۹۸۰ء

Regd No. LW/NP 56
Phone: 42948 / 43747
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW 230007 (INDIA)

اصلاح

صلہ رحمی، باہمی تعلق ومحبت اور ادائے حقوق کی اہمیت وفضیلت اور اس کے دینی و دنیوی منافع اور قطع رحمی اختلاف باہمی اور ایک دوسرے کے مقاطعہ، مسلمانوں کی اہانت وتذلیل کے دینی و دنیاوی مفاسد کے موضوع پر ایک انقلاب انگیز رسالہ، جس نے روٹھوں کو منایا، برسوں کے بچھڑوں کو ملایا، قطع رحمی، برادر کشی اور نزاع باہمی کو دور کیا، گھروں کو باہمی جھگڑوں سے نجات دلائی اور جو گھر دار الحرب بنے ہوئے تھے ان کو دار الامن میں تبدیل کیا اور اسلامی زندگی کی برکتوں سے روشناس کرایا،

مُرتّبہ

مولانا حکیم سید عبد الحئیؒ
(سابق ناظم ندوۃ العلماء)

اس رسالہ کو ایک صاحب خیر نے برائے ایصال ثواب مفت تقسیم کرنے کے لئے شائع کرایا ہے۔

ناشر: دار عرفات، دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی

ملنے کا پتہ:

مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

۵۰ پیسے کا ٹکٹ بھیج کر مفت منگائیے اور احباب میں بھی تقسیم کیجئے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نئی شاہکار تصنیف

پُرانے چراغ حصہ دوم

مع تکملہ سینے کے داغ

مختلف مشاہیر اور باکمال شخصیتوں کا دلکش قلمی مرقع اور دین واخلاق اور ادب وسوانح کا مہکتا ہوا گلدستہ۔

(جو)

مولانا محمد علی جوہر، صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین، الحاج مفتی امین الحسینی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا محمد سلیم مکی، مولانا عبد الماجد دریابادی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، چودھری غلام رسول مہر، مولانا ماہر القادری، مولانا عبد الشکور فاروقی، علامہ بہجۃ البیطار، مولانا عبد العزیز میمن، مولانا محمد اویس ندوی، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی، صوفی عبد الرب ایم۔اے، مولانا ابوبکر غزنوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالخیر حسنی، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ، مولانا محمد الحسنی، مولانا اسحاق جلیس ندوی جیسے حضرات پر مشتمل ہے۔

عمدہ کتابت ——— آفسیٹ طباعت ——— قیمت پچیس ۲۵ روپے

نوٹ: پُرانے چراغ حصہ اول کا جدید اڈیشن طبع ہوگیا ہے، جس میں تقریباً انہی ہی شخصیات کا تذکرہ ہے۔ قیمت: اٹھارہ روپے 18/-

مکتبۂ فردوس، مکارم نگر (برولیا) لکھنؤ

نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی

مجلس ادارت
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

تعمیر حیات

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸	۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء ـــــ یکم صفر المظفر سنہ ۱۴۰۱ھ	شمارہ نمبر ۳

نرخ تعاون

اندرون ملک ـــــ بیس روپے
فی پرچہ ـــــ ایک روپیہ
بیرون ملک۔ بحری ڈاک جملہ ممالک ۵ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک ـــــ ۷ پونڈ
افریقی ممالک ـــــ ۸ پونڈ
یورپ و امریکہ ـــــ ۱۰ پونڈ

اداریہ

خون اور پٹرول کی جنگ

کیا ہم استعماری سازش کا شکار ہو گئے ہیں؟

خلیج میں خون اور پٹرول کی جنگ کا جائزہ لینے سے قبل آپ کی توجہ افغانستان و پاکستان کے ان واقعات کی طرف موڑنا چاہتے ہیں جو چند ماہ پہلے پیش آئے تھے، اس پس منظر کے بغیر موجودہ جنگ کی نوعیت کو سمجھنا مشکل ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ استعماری طاقتوں نے اسلامی دنیا کے خلاف ایک لامتناہی جنگ چھیڑ رکھی ہے، اگرچہ استعماری طاقتوں کا ظاہری وجود عالم اسلام کی سرزمین پر موجود نہیں مگر استعماری تہذیب و تمدن کے غیر معمولی اثرات مسلم ممالک کے حکمرانوں اور دانشوروں کے دل و دماغ اور ان کے رگ و ریشہ میں اس درجہ سرایت کر چکے ہیں کہ خود نام نہاد مسلم حکمراں اپنے دین و ملت کے دشمن بن گئے ہیں اور اسلام و اسلامی تہذیب کے تمام نقوش کو کھرچ کھرچ کر مٹانے کے درپے ہو گئے ہیں، مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے مسلمان حکمرانوں پر ایک طائرانہ نظر ہمارے اس دعوے کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

دوسری طرف ہم استعماری طاقتوں کی اس سازش کا بھی شکار ہو گئے ہیں جس میں وہ بڑی مہارت اور چابکدستی سے کام لے کر ہمارے رہے سہے وجود کو بھی مٹانے کا عزم رکھتا ہے، پٹرول کی دریافت کے بعد اسلامی دنیا میں بیداری کی جو لہر اٹھی تھی اس نے کسی حد تک اسلامی ملکوں کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا شعور پیدا کر دیا تھا، اس کی وجہ سے متعدد مسلم ممالک اپنی صنعتی اور فوجی طاقت کی تعمیر میں لگ گئے تھے۔ ترکی، پاکستان، ایران، عراق اور مصر و شام بڑی حد تک صنعتی اور فوجی ترقی کی طرف گامزن تھے۔ سعودی عرب اور خلیجی ریاستیں متعدد اسلامی ملکوں کے ترقیاتی منصوبوں میں شریک ہو کر نئی قوت مہیا کر رہی تھیں۔ اگر یہی سیل دنہار رہتے تو نصف صدی میں یہ تمام ممالک یورپ کی ترقی کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے۔ مگر بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے تمام مسلم ممالک کسی نہ کسی نظریاتی سیاسی، اقتصادی اور فوجی کشمکش میں الجھ کر رہ گئے جس نے ان کی ساری توانائی کو اگر ختم نہیں تو غیر معمولی کمزور ضرور کر دیا۔ ترکی کو مشرق و مغرب کی کشمکش نے نیم جان کر رکھا ہے، وہ دوسروں کو سہارا کیا دیتا خود اس کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ انڈونیشیا (خدانخواستہ) پکے ہوئے پھل کی طرح مسیحیت کی گود میں گر کر نیا اندلس بننے والا ہے اور اس کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی، وقتی طور پر ہم ایران کے انقلاب سے تسلی حاصل کرنا چاہتے تھے مگر اس کے نتیجہ میں افغانستان میں روسی مداخلت نے ہماری خوشیوں پر پانی پھیر دیا۔ لیبیا کے مجنوں اور شام کے قاتل و سفاک دونوں ہی روسی استعمار کے ہتھے چڑھ چکے ہیں، یوگنڈا میں عیدی امین کا خاتمہ پہلے ہو چکا ہے اگر اسلام اور مسلمانوں کو ان کے حکمراں زنجیروں میں کستے رہے تو بس اسلامی ملکوں کا جنازہ بیس سال کے اندر نکل جائے گا۔ ۱۹۶۵ء میں ہند و پاک کی جنگ، مصر و شام اور اردن پر ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کی یورش، پھر ۱۹۷۱ء میں برصغیر کی نئی تقسیم، مراکش اور الجزائر کی کشمکش اور آخر میں ایران و عراق کی جنگ استعماری طاقتوں کی غیر معمولی سازش کی مسلسل کڑیاں ہیں ان سب کا مقصد مسلم ملکوں کی صنعتی اور فوجی ترقی پر ضرب کاری لگانا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف استعماری طاقتیں مسلم ممالک پر پسماندگی کا الزام رکھتی ہیں دوسری طرف اگر کوئی مسلم ملک فوجی اور صنعتی میدان میں ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس کے خلاف زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیتی ہیں اور ہر طرح اس کو ناکام بنانے پر تل جاتی ہیں، پاکستان اور عراق کی ایٹمی ترقی اور ترکی کے نجم الدین اربکان کے ہاتھوں فوجی صنعت میں خود کفیلی کے منصوبے پر مغربی پریس نے جس طرح واویلا کیا ہے وہ سب کو معلوم ہے، جب پاکستان کی ایٹمی ترقی کے خلاف ڈرانے دھمکانے کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو افغانستان و پاکستان کے درمیان تصادم کرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تا کہ دو نوں مسلم ملک برادر کشی میں مصروف ہو جائیں اس سازش سے کئی فائدے حاصل کرنے تھے جن میں بنیادی طور پر ایٹمی پلانٹ کو سبوتاژ کرنا، تیسرے ملک سے مداخلت کرا کے سندھ کو پاکستان سے الگ کرنا اور دونوں ملکوں کی فوجی و صنعتی قوت پر ضرب کاری لگانا، مگر اشتعال انگیزی کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں اور پاکستانی صدر کی پُرسکون اور صلح کل پالیسی سے یہ خوفناک تصادم رک گیا ورنہ پاکستان کا وجود اب تک مٹ چکا ہوتا۔ اگرچہ افغانستان کو تباہ کرنے میں دشمنوں کو کامیابی ہو گئی۔ دوسری طرف اسی نسخہ کو ایران و عراق پر کامیابی کے ساتھ آزمایا جا رہا ہے اور دونوں ملک اپنے ہاتھوں اپنی قبریں تیار کر رہے ہیں۔

اس سے قطع نظر کہ جنگ کے اسباب کیا ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی تک اس جنگ نے بجز خسارے کے کچھ نہیں دیا ہے۔ ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہو سکی ہے کہ جنگ کب تک ختم ہو جائے گی۔ پاکستانی صدر نے درمیان میں پڑ کر صلح کی کوشش کی مگر خمینی کی انانیت اور شدت پسندی نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اس کا فائدہ صرف بڑی طاقتوں خصوصاً روس کو پہونچے گا، وہ اس طرح کہ اس جنگ سے گھبرا کر حافظ الاسد نے روس کے لئے خود غلامی لکھ دیا ہے، چنانچہ روسی شامی معاہدہ اور اس سے قبل قذافی روسی معاہدہ۔ دونوں کے ذریعہ روس نے مشرق وسطیٰ میں اپنے وجود کو موثر اور مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ امریکہ کی طرح اس کو بھی عرب ملکوں پر گرفت مضبوط کرنے اور ان کے مسائل میں فیصلہ کن

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمایئے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

بنام خدا خرچ کرنے کی فضیلت

مولانا عبد الحی حسنی رح

آیات قرآنی:

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ۔ (سبأ۔ ۳۹)
اور جو تم خرچ کرو گے وہ اس کا (تمھیں) عوض دے گا۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ۔ (بقرہ۔ ۲۷۲)
اور (مومنو!) تم جو مال بھلی راہ میں خرچ کرتے ہو تو اس کا فائدہ تمھیں کو ہے اور تم جو خرچ کرو گے خدا کی خوشنودی کے لئے کرو گے، اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ (بقرہ۔ ۲۷۳)
اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ خدا اس کو جانتا ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ دن کے ابتدائی حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ کچھ لوگ دھاری دار چادریں بیچ سے کاٹ کر گلے میں ڈالے ہوئے یا عبا پہنے ہوئے تلوار لٹکائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے اکثر قبیلہ مضر کے لوگ تھے، ان پر فقر و فاقہ کا اثر دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ اندر تشریف لے گئے پھر باہر آئے۔ حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم فرمایا، اذان و اقامت ہوئی نماز پڑھی گئی نماز کے بعد آپؐ نے تقریر فرمائی، اور فرمایا "لوگو! تم اس خدا سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے"، آیت کے آخر حصہ "بیشک اللہ تعالیٰ تمھیں دیکھ رہا ہے" تک۔ پھر سورہ حشر کی آخر آیت، "اے لوگو! اس خدا سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے روپیہ پیسہ، کپڑا۔ کوئی ایک صاع گیہوں لایا، کوئی ایک صاع کھجور ہی لایا، یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ انصار میں سے ایک شخص بھری ہوئی بوری لے کر آئے کہ جس کا اٹھانا سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا بلکہ ہاتھ جواب دے گئے پھر تو دینے والوں کا تانتا بندھ گیا یہاں تک کہ میں نے غلہ اور کپڑے کے دو ڈھیر دیکھے، پھر میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک دمک رہا ہے روئے انور پر خوشی و بشاشت کھیل رہی ہے، پھر آپؐ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اس کو اس کا اجر تو ملے گا ہی، اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے اس کا بھی اجر اسی شخص کو ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا اس کا بھی وبال ہوگا دوسرے جو لوگ اس کو اپنائیں گے ان کا بھی وبال اس کو ہوگا، ان کے وبال میں کوئی کمی کئے بغیر۔ (مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا آپ خانۂ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، آپؐ نے مجھے دیکھا تو فرمایا، ربِ کعبہ کی قسم وہی خسارے میں ہیں۔ میں آیا اور آپؐ کے پاس بیٹھ گیا پھر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال زیادہ ہے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے خوب خرچ کیا، آگے سے پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشک تو دو ہی قسم کے آدمیوں پر کرنا درست ہے، ایک ایسا آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور پھر اسے راہ حق میں خوب خرچ کرنے کی توفیق دی ہو، اور ایک ایسا شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی کی دولت سے نوازا ہو اور وہ اس سے فیصلہ کرتا ہو اور لوگوں کو اسے سکھاتا ہو۔ (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کون ایسا ہے جس کو اس کے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا، اللہ کے نبی! ہم میں سے ہر شخص کو اسی کا مال زیادہ محبوب ہے، آپؐ نے فرمایا، اس کا مال تو وہی ہے جو اس نے راہ خدا میں خرچ کر دیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے چھوڑا۔ (بخاری)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بنی آدم! تم اپنا بچا کھچا خرچ کر دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر اس کو روک رکھو تو تمہارے حق میں برا ہے، ضرورت بھر روک لو تو قابل ملامت نہیں۔ خرچ کرنے میں جو قریبی لوگ ہوں ان سے شروع کرو۔ اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا) نیچے کے ہاتھ سے (یعنی لینے والا) اچھا ہے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس میں سے کیا بچا، حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ صرف اس کا دست باقی ہے، آپ نے فرمایا، دست کے علاوہ سب باقی ہے۔ (ترمذی)

حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بخل نہ کرو کہ تمہارے ساتھ بھی بخل کیا جائے، ایک روایت میں ہے خرچ کرو، دو دلاؤ، گن گن کر نہ رکھو کہ تمہارے لئے بھی گنا جائے، حساب نہ لگاؤ کہ تم کو بھی حساب سے دیا جائے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت بڑھاتا ہی رہتا ہے، جو بھی اللہ کے لئے تواضع و خاکساری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتے ہیں۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ اللہ کے نبیؐ! کون سا صدقہ زیادہ موجب اجر ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس حال میں صدقہ کرو کہ تم تندرست ہو، مال کا شوق و لالچ ہو، فقر کا کھٹکا لگا ہو، مالدار بننے کی امید بندھی ہو، خرچ میں ٹال مٹول نہ کرو کہ جب موت کا وقت آ جائے تب وصیت کرنے لگو کہ فلاں کا اتنا حصہ اور فلاں کا اتنا اور وہ فلاں ہی کا ہو کر رہے۔ (متفق علیہ)

عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مدینۂ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ آپؐ نے سلام پھیرا پھر جلدی سے اٹھے اور لوگوں کی گردن پھاندتے ہوئے ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرے میں تشریف لے گئے آپؐ کی اس جلدی سے لوگ گھبرا گئے کچھ دیر بعد آپ باہر تشریف لائے تو محسوس فرمایا کہ آپؐ کی جلدی سے لوگ حیرت زدہ ہیں، تب آپ نے فرمایا کہ مجھے یاد پڑا کہ گھر میں کچھ چاندی رہ گئی ہے یہ مجھے پسند نہ آیا کہ وہ ذہن میں الجھن پیدا کرتی رہے لہذا میں نے جا کر اس کے تقسیم کر دینے کی ہدایت کر دی۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا کہ میں کچھ ضرور صدقہ کروں گا، چنانچہ صدقہ لے کر نکلا اور (دھوکا میں) ایک چور کو دے دیا، صبح کو لوگوں میں یہ چرچا شروع ہوا کہ چور کو صدقہ دے دیا، اس شخص نے کہا اے اللہ! قابل حمد و ستائش تو تیری ہی ذات ہے میں کچھ ضرور صدقہ کروں گا، چنانچہ صدقہ کا مال لے کر نکلا اور ایک زانیہ کو دے دیا، صبح کو پھر لوگوں میں

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

رول ادا کرنے کا موقع مل جائے۔

دوسری طرف اس جنگ کا ایک غیر معمولی نقصان یہ ہوا ہے کہ مسئلہ فلسطین بہت پیچھے چلا گیا ہے جب کہ ایران و عراق دونوں ہی اس کے حامی و موید ہیں اس جنگ سے سب سے زیادہ فائدہ اسرائیل کو ہو رہا ہے۔ وہ امریکی ایجنٹ کے موقع پر یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے بحران کا مرکز اسرائیل نہیں بلکہ پٹرول کے ممالک ہیں اور ایران و عراق کی جنگ اس کا واضح ثبوت ہے، دوسری طرف اسرائیلی ذمہ دار یہ کہہ رہے ہیں کہ اسرائیل کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس جنگ میں کسی کو کامیابی نہ ہو اور دونوں ملک دس سال تک کے لئے فوجی طور پر کمزور ہو جائیں کہ وہ ہمیں آنکھ نہ دکھا سکیں۔ اسرائیلی ذمہ دار اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس تلخ حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ پڑوس کے تمام عرب ممالک بھی یہی چاہتے ہیں کہ دونوں ملکوں میں سے کوئی جنگ میں کامیابی حاصل نہ کرے تو بہتر ہے اس لئے کہ بصورت دیگر سیاسی اور فوجی انقلاب کا ہونا لازمی ہے۔

اس جنگ سے سب سے زیادہ نقصان ان دونوں ملکوں کو ہوا ہے کہ دنیا کی اقتصادی منڈی میں ان کا جنازہ نکل گیا ہے اور عرصہ تک کے لئے فوجی و صنعتی تعمیر و ترقی کے میدان میں استعماری ملکوں کے لئے انھوں نے خط غلامی لکھ دیا ہے۔

سابق شاہ کے زمانے میں ایران فوجی طور سے مضبوط و مستحکم تھا۔ جدید ترین اسلحہ اور فنی تربیت سے اس کی فوجیں آراستہ تھیں دوسری طرف اقتصادی میدان میں پٹرول پیدا کرنے والے ملکوں کی صف میں دوسرے نمبر پر ایران کا نام لیا جاتا تھا۔ (شاہ کے زمانے میں ۶۰ لاکھ بیرل یومیہ تیل نکالا جاتا تھا) دوسری طرف عراق بھی فوجی و صنعتی میدان میں مستحکم تھا۔ پٹرول کی آمدنی سے اس کو ہر گھنٹہ چالیس لاکھ ڈالر حاصل ہوتے تھے یعنی تقریباً دو کروڑ ڈالر روز اس کے خزانے میں جمع ہوتے تھے لیکن اب کیا رہا؟؟

ایران و عراق کی جنگ سے دنیا کی اقتصادی منڈی پر ذرہ برابر اثر نہیں پڑا ابتدا میں اندیشہ تھا کہ پٹرول کی کمی سے تمام ممالک پریشان ہو جائیں گے اور کہیں عالمی جنگ میں یہ جنگ تبدیل نہ ہو جائے مگر جب یہ جنگ صرف دونوں ہی ملکوں تک محدود رہی اور دوسرے عرب ملکوں نے پٹرول کی اس کمی کو پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو ایک طرف تو ان دونوں ملکوں کی عالمی اقتصادی میدان میں اہمیت ختم ہو گئی دوسری طرف جنگ کی طوالت اور اس کی تباہ کاری میں اضافہ ہو گیا۔ اسی بنا پر بڑی طاقتوں میں سے کسی کو بھی جنگ کو ایک دوسرے کے حق میں لیجانے یا جنگ ختم کرنے سے دلچسپی نہ رہی اس وقت دونوں ملک جنگ بندی سے گریز کر رہے ہیں اور دونوں کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے اقتصادی اور سیاسی نظام کو تباہ کیا جائے۔ صدام حسین خمینی سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں اور خمینی صدام حسین کے خلاف انقلاب کی باتیں کرتے ہیں، دوسری طرف دونوں کو پابندی سے اسلحے مل رہے ہیں جس کی وجہ سے جنگ طویل تر ہوتی جا رہی ہے۔ دونوں ملکوں کے قائدین کی غلطیاں اور خوش فہمیاں اس کے ساتھ کبر و نخوت نے اس تباہی و بربادی میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ ایرانی صدر کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ تاریخ میں پہلی بار ایسا ہو رہا ہے کہ ایک ملک پر دیدہ و دانستہ حملہ کیا جاتا ہے اور عالمی برادری حرکت تک نہیں کرتی اور ایران اپنے کو تنہا محسوس کر رہا ہے۔ غالباً ہی صدر کے اندر یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ خمینی کی غلطیوں اور مہلک انانیت کو مورد الزام ٹھہرائیں ورنہ ایران پر حملہ ہو اور اسلامی برادری خاموش تماشائی بنی رہے۔

دوسری طرف صدام حسین کو یہ خوش فہمی تھی کہ ایران بالکل کمزور اور تباہ ہو چکا ہے اسلئے وہ لقمۂ تر جلد نگلنے کے لئے عالمی پریس کو بلا لائے مگر بجز محدود کامیابی کے کسی فیصلہ کن نتیجہ تک ابھی تک نہیں پہونچ سکے۔ اگر عراق نے ایران کے تیل کی تنصیبات کو تباہ کر دیا ہے تو شیشہ کے گھر میں بیٹھ کر پتھر پھینکنے والے کو خود بھی تو انجام کو سوچ رکھنا چاہئے نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کو بھی پٹرولیم کی مصنوعات اور اس کی پیداوار سے ہاتھ دھونا پڑا، ماہرین کا اندازہ ہے کہ پانچ سال سے قبل دوبارہ تیل کی نکاسی ممکن نہیں، ریفائنری کے کارخانے کا قیام تو اور بھی وقت لے گا جس میں دس بارہ سال لگ سکتے ہیں۔ اگر بالفرض پانچ سال کے اندر دونوں ملک تیل نکالنا شروع بھی کر دیں جب بھی اس مقدار کو حاصل نہیں کر سکیں گے جس پر انھوں نے تیل کو بند کیا ہے، ماہرین کا کہنا ہے کہ تیل جب کسی کنویں سے نکلتا ہے تو فوارے کی طرح نیچے سے شدید دباؤ کی وجہ سے نکلتا ہے اگر اسی طبعی غیر معمولی تیز رفتار سے تیل نکلتا رہے تو یہ چشمہ جلد خشک ہو جاتا ہے، اس لئے فنی ماہرین اس تیز دھارے کو کنٹرول کرنے اور معتدل رفتار سے نکلنے کے لئے پانی کا انجکشن دیتے ہیں جس سے تیل میں پانی ملنے بھی نہیں پاتا اور دوسری طرف اسکے بہاؤ کی شدت پر کنٹرول بھی ہو جاتا ہے، اس طرح طویل عرصہ تک تیل نکلتا رہتا ہے لیکن اگر یہ کنویں بند ہو جاتے ہیں تو زیر زمین تیل کے دھارے کا رُخ دوسری طرف ہو جاتا ہے، جہاں سے واپسی کے لئے یا تو دوسرا کنواں کھودنا پڑتا ہے یا پھر معمولی مقدار میں تیل برآمد ہوتا ہے۔ شاہ کے زمانے میں چھ ملین بیرل یومیہ تیل نکالا جاتا تھا مگر انقلاب کے بعد پیداوار صرف سات لاکھ بیرل یومیہ ہو گئی اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ایران اتنی ہی مقدار پیدا کرنا چاہتا تھا بلکہ فنی وجوہات کی بنا پر تیل کی پیداوار کو سابقہ حالت پر واپس لانا ناممکن ہو گیا تھا۔ اس جنگ سے عراق کا تو اور بھی بُرا حال ہو گیا کہ اس کی تیل کی پیداوار یک لخت رک گئی۔ عراقی پٹرولیم کی صنعت کو جو غیر معمولی نقصان پہونچا ہے اور جنگ جس طرح طویل ہوتی جا رہی ہے اس نے اس تباہی و بربادی کو اور بھی بھیانک بنا دیا ہے۔ دونوں ملکوں کو اسلحہ کی سپلائی جاری ہے، بڑی طاقتوں کے خزانے بھر رہے ہیں جو کروڑوں ڈالر ایران و عراق کے خزانوں میں جمع ہوتے تھے وہ ختم ہو گئے اور محفوظ سونے کے ذخائر پر ہاتھ صاف کیا جانے لگا یہاں تک کہ خمینی کے ایران کو امریکہ سے سودے بازی پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے، آخر اس سودے بازی اور طویل جنگ کی کیا ضرورت تھی۔ اگر یرغمالیوں کو مناسب شرطوں پر رہا کر دیا جاتا تو دونوں ملک تباہی سے بچ جاتے، چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

استعماری سیاست کے پیچ و خم کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہے اسی طرح جوابی تدبیر اس سے زیادہ نازک اور مشکل کام ہے، کسی قدیم عمارت کو منہدم کرنا آسان ہے، مگر اس کی تعمیر انتہائی مشکل، صبر آزما اور وقت طلب کام ہے۔ شعلہ فشانی اور انانیت کا تدبیر مملکت سے کوئی جوڑ نہیں ——

ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

سلور جبلی کے پُرمسرت موقعہ پر پیش کرتا ہے،

ایک عظیم سالنامہ

"مولانا محمد الحسنیؒ انتخاب نمبر"

مشہور داعئ اسلام مولانا محمد الحسنیؒ کے اُن پُرمغز اور جوش و جذبہ سے بھرپور مضامین کا انتخاب جو خدمت دین کی راہ میں منارۂ نور اور باطل قوتوں کے لئے ضربِ کاری ثابت ہوئے ہیں۔

یہ عظیم سالنامہ، سالانہ خریداروں کو مفت پیش کیا جائے گا۔

یہ سالنامہ جنوری ۸۷ء میں انشاء اللہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

قیمت مولانا محمد الحسنیؒ انتخاب نمبر 5/- چندہ سالانہ: 12/-

دفتر ماہنامہ "رضوان" ۳۷-گوئن روڈ، لکھنؤ

یہ حدیثِ دل ہے اِسے گوشِ دل سے سنئے

شمس الحق ندوی

آپ کے ادب و احترام میں ادنیٰ کمی کئے بغیر لب کشائی کرنا چاہتا ہوں۔ عرصہ سے میں آپ کے سامنے لب کشائی کرنے کی فکر میں تھا مگر جرأت نہ ہوتی تھی اس لئے نہیں کہ میرا یہ اقدام کوئی غلط اقدام ہوتا بلکہ اس تردد و تذبذب کا سبب اور تاخیر کی وجہ آپ کی مزاجی کیفیت تھی جواب اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ کھلی ہوئی حقیقت کو بھی سُن کر ناک بھوں چڑھاتی ہے اور اسے مجذوب کی بڑ سمجھتی ہے، بالآخر میری طرف سے آپ کی غفلت و بے اعتنائی نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں آپ سے ہم کلام ہوں اور آپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کروں کہ آپ کی عزت و شرف کا سارا انحصار مجھی پر ہے اور میری طرف سے آپ کی بے اعتنائی اپنے ہاتھوں پاؤں میں کلہاڑی مارنے بلکہ خودکشی کے مرادف ہے۔

یہ تو آپ کو تسلیم ہے کہ آپ کے پورے جسمانی نظام میں مجھے مرکزیت حاصل ہے میں اپنا کام چھوڑ دوں تو آپ کا پورا جسمانی نظام فیل ہو جائے آپ کے جسم کا ہر ہر حصہ اپنی جگہ پر موجود اور صحیح و سالم ہونے کے باوجود بیکار ہو جائے اور یک لخت نہ صرف اپنا کام چھوڑ دے بلکہ اس میں سڑاھند و بدبو پیدا ہو جائے اور قریب سے قریب عزیز بھی آپ کو ایک لمحہ رکھنے کا روادار نہ ہو۔ جلد سے جلد زمین میں دفن کر دے، چتا میں جلا دے، یا دریا میں ڈبو دے۔

یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے جس سے آپ کا بڑے سے بڑا شخص انکار نہیں کر سکتا یہاں بڑے سے بڑا سائنس داں اور ڈاکٹر اپنی بے بسی و ناکامی کا اعتراف کر لیتا ہے، آپ نے اپنے علم و ہنرمندی میں ترقی کر کے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ بحر و بر پر اپنی کامیابی کا سکہ جما یا ہے، چاند تاروں پر بھی اپنی کمند ڈال دی ہے مگر وہاں سب ہار جاتے ہیں، جہاں میں اپنا کام چھوڑ دیتا ہوں آپ ہی کے ایک بھائی کی زبان سے یہ حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

ابر و باد پر قادر اور اس قدر مجبور
کہ ایک سانس کے لانے کا اختیار نہیں

میری اسی اہمیت کی وجہ سے آپ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ مجھے ہر نقصان سے بچائیں اور میں اس وقت تک اپنا کام کرتا ہوں جب تک میرے خالق کو منظور ہے، یہاں تک تو آپ کا روز کا تجربہ اور مشاہدہ ہے اور آپ کا اس سے انکار گویا اپنے وجود کا انکار ہے۔

اب میں آپ کو اپنے اس بلند مقام اور وسعت و بڑائی سے روشناس کرانا چاہتا ہوں جس میں آپ کی فضیلت و بڑائی، اور اشرف المخلوقات ہونے کا راز پنہاں ہے، میری جسمانی کیفیات، قوت و نزاکت اور قوت کار کا علم تو آپ کو ڈاکٹروں اور طبیبوں سے ہوتا ہے جو مختصراً میں آپ سے عرض کر چکا،

مگر میری غیر مرئی قوت و صلاحیت اور وسعت و ہمہ گیری کا علم میرے خالق (اللہ) کے ان مخصوص بندوں ہی کے ذریعہ ہوتا ہے جن کو آپ نبی، رسول یا ایشور کے دوت، کہتے ہیں، یہ علم پھر علم ہی نہیں رہتا، بلکہ تجربہ میں آتا ہے اور مشاہدہ بن جاتا ہے میری اس قوت و طاقت کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اس بھری کائنات میں تنہا میں وہ ہوں جو وحی اور کلام ربانی کے بار کو سنبھال لیتا ہے اور اس کا امین ہوتا ہے۔ وحی کا بار غیر معمولی ہوتا ہے ایسا بار جس کو سات زمین آسمان نہ سنبھال سکے۔

خود میرے خالق نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا،

"لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب مومن": (میرے زمین و آسمان میرے لئے کافی نہیں ہوتے لیکن میں اپنے مومن بندہ کے دل میں سما جاتا ہوں)۔

آپ کے ایک بھائی نے اسی کو یوں ادا کیا ہے ؎

سمانے نہیں وہ تو ارض و سما میں
مرے دل میں کیسے سمائے ہوئے ہیں

ایک اور بھائی نے یوں کہا ؎

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

آپ کے سارے اعمال کا تعلق میری اسی طاقت سے ہے، آپ میری اس طاقت کو عصیان و نافرمانی کی آلائشوں سے جتنا محفوظ رکھیں گے اتنا ہی یہ اپنا کام کرے گی اور اگر غفلت و لاپروائی برتیں گے تو میری یہ طاقت کمزور ہوگی، میری یہ طاقت جتنی کمزور ہوتی جائے گی آپ کے اعمال اتنے ہی خراب ہوتے جائیں گے، سکون و چین محبت و الفت ختم ہوتا جائے گا، انتشار و بے چینی ظلم و غارت گری بڑھتی جائے گی، وہ اتنی بڑھ سکتی ہے کہ ملک کے ملک برباد ہو جائیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک دھول اڑنے لگے، انسان جانوروں اور درندوں سے نہ ڈرے اور اپنے جیسے انسانوں سے ڈرنے لگے۔

اللہ کے نبیؐ کا یہ فرمان، "ألا إن فی الجسد مضغة فاذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ"۔

سن لو (تمہارے) جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو پورا جسم صحیح و درست ہوگا، جب وہ بگڑے گا تو پورا جسم بگڑ جائے گا۔

نبیؐ کے اس فرمان سے صرف جسمانی فساد و بگاڑ مراد نہیں بلکہ معنوی فساد و بگاڑ بھی مراد ہے، میرا بگاڑ عالم کا بگاڑ ہے، اس میں آپ کو ذرا بھی شک و شبہ ہو تو میرے خالق کے یہ الفاظ پڑھ لیجئے "قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا" (کامیاب ہو گیا جس نے اس (دل) کو پاک کیا، برباد ہو گیا جس نے اس (دل) کو پراگندہ کیا۔)

اس ارشاد ربانی کے بعد اب شاید میری اہمیت آپ پر پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی۔ میرے خالق کے اس ارشاد کے بعد اس کا انکار کفر ہے،

میری اسی اہمیت کی وجہ سے میرے اسی مقام و اعزاز کی وجہ سے آقا نے فرمایا میں اس بندے کے پاس ہوتا ہوں جس کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔ "أنا عند منكسرة القلوب"۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد میں آپ سے عرض کروں گا کہ آپ کسی کا دل نہ دکھائیں نہ کسی کا دل توڑیں، دل کا توڑنا میرے آقا کو بہت ناپسند ہے، دل کے ٹوٹنے کی صدا آپ کو تو نہیں سنائی دیتی مگر براہ راست وہ عرش اعظم سے جا ٹکراتی ہے اور وہاں اس کی صدا سنائی دیتی ہے خود آپ ہی کا کہنا ہے ؎

شیشہ ٹوٹے غل مچ جائے
دل ٹوٹے آواز نہ آئے

دوسرے الفاظ میں آپ ہی نے اس کو یوں بیان کیا ہے ؎

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کو پاک صاف کر لیتے ہیں اس کے احساس و شعور کو جلا دیتے ہیں مرد خود آگاہ و خداشناس بن جاتے ہیں وہ ہزار زخم کھا کر بھی دوسروں کا دل نہیں دکھاتے، کسی کا دل دکھانا ان پر بار ہوتا ہے شاید آپ نے خواجہ باقی باللہ دہلوی کا واقعہ سنا ہو کہ ایک دن سخت کڑاکے کی سردیوں میں وہ کسی ضرورت سے باہر نکلے تھوڑی دیر بعد واپس ہوئے تو دیکھا کہ لحاف میں ایک بلی سو رہی ہے، آپ نے اس خیال سے کہ اس کو تکلیف ہوگی اسے بستر سے نہیں نکالا اور پوری رات کھڑے کھڑے گذار دی شاید یہی وجہ تھی کہ ان سے ہزاروں لاکھوں مخلوق خدا کو فائدہ پہونچا اور ان کے دل کی روشنی سے بے شمار دل روشن ہوئے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ سردیوں کے موسم میں راستہ سے گذر رہے تھے، دیکھا کہ کتے کا ایک پلّہ نالی کے پانی میں بھیگ کر ٹھنڈک سے ٹھٹھر رہا ہے چلنے کی بھی طاقت نہیں، انہیں اس پر بڑا ترس آیا اس کو اٹھا کر دھوپ میں رکھ دیا، دھوپ کھا کر وہ چلنے پھرنے لگا اور مرنے سے بچ گئی، ایک پلّے کے دل کو آرام پہنچانے سے ان پر ایسا فیضان ہوا کہ وہ اپنے زمانہ کے شیخ وقت بنے۔

کتا جیسا ناپاک جانور کہ جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ وہ جس گھر میں ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، اس کتے کا دل خوش کرنے والی، اس کو پانی پلانے والی بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کے سارے پاپ معاف کر دئے گئے اور وہ جنتی بن گئی۔

اس طرح کے واقعات کی فہرست بہت طویل ہے، یہ چند واقعات محض آپ کے احساس کو بیدار کرنے اور اپنی اہمیت و نزاکت واضح کرنے کیلئے میں نے آپ کو سنا دئے۔ آپ کو میرا مشورہ ہے کہ کسی دل کو دکھانے سے بچیں۔ الخلق عیال اللہ (مخلوق خدا کا کنبہ ہے) جب مخلوق خدا کا کنبہ ہے تو آپ سوچ لیں کہ بیجا طور پر اس کا دل دکھانے سے خدا کی طرف سے آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

سچ یہ ہے کہ دل کی دنیا آباد ہو تو دل والا نہال ہو اور اگر ویران ہو تو وہ تباہ و برباد ہو۔

دل ہی سرچشمۂ پیچ و تاب
رومی کا اور دل ہی کا مرھون
منت ہے سوز و ساز رازی، دل
ہی عطار کی آہ سحر گاہی کا مجرم
ہے، دل ہی راز ہے غزالی کے
اضطراب و بے چینی کا، دل ہی
کا راگ ہے زبور عجم، دل ہی
کی حدی ہے ارمغان حجاز اور
اسی کی صدائے بازگشت ہے
بانگ درا و صور اسرافیل،

ہر سعی لاحاصل اور ہر تدبیر بے سود ہوتی ہے اگر اس میں میرا خون جگر نہ شامل ہو، عشق و مستی بھی بار مان لیتے ہیں اگر ان میں میرے خون کی روانی اور گرمی نہ ہو، آپ ہی نے تو کسی وقت عالم بیخودی میں کہا تھا ؎

عشق ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر
نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

تیغ نوائی معاف ہو، اب بہت ادب سے آپ سے عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ چاہے جتنے بڑے بڑے کام کر ڈالیں تحریکیں قائم کر لیں، چھتے دار تقریریں کر لیں زوردار مضامین لکھ لیں ضرورت وحقیقت سے زیادہ شور اور مظاہرہ کر لیں انجمنیں بنا لیں جماعتیں قائم کر لیں، لیکن اگر اس میں میرا خون جگر شامل نہیں تو سب بیکار و لاحاصل ہے میرا خالق نہ اس سے کبھی خوش ہو سکتا ہے اور نہ اس سے وہ نتائج نکل سکتے ہیں جو آقا کو منظور ہیں۔ آپ غور کریں ذرا دیر کے لئے اپنے دماغ کو غور و فکر اور سوچنے کا موقع دیں کہ آخر کیا بات تھی کہ، بہت سے خدا کے بندے خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے اپنے دل کو روشن کر لیا اور پھر دوسروں کا دل بغیر کسی پروپیگنڈہ کے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر روشن کرتے رہے، اور ان سے ہزارہا ہزار بندگان خدا کی زندگیاں بدل گئیں، ان کے دل روشن ہو گئے، ملکوں کا نظام بدل گیا اور یہ سارا انقلاب خاموشی کے ساتھ آگیا، اگر اس کو تصوف کا نام دیکر آپ کو وحشت ہوتی ہے تو مجھے آپ کی عقل پر ہزار بار ہنسی آتی ہے، اور میں آپ کو بار بار ٹھوکر کھا کر گرتے دیکھتا ہوں، پھر اس گرنے کی تاویل سن کر جگر تھام کر بیٹھ جاتا ہوں۔ ان میں وہ بھی تھے جو شمشیر و سنا کے بھی حامل تھے اور قلم و قرطاس کے بھی مگر میرا سوز جگر بھی اس میں شامل تھا، آپ ان کی ناکامی کے اسباب ڈھونڈ ڈھونڈھتے ہیں ہم آپ سے کہتے ہیں کہ ان کی کامیابی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی کاوشوں اور شوق جہاد کا ذکر آج بھی دلوں میں گرمی پیدا کرتا ہے، اور ہزاروں دلوں کو روشنی بخشتا ہے۔

یہ سب کرشمے تھے اس کے کہ انھوں نے میرے مقام کو پہچانا، کس زبان سے آپ کو سمجھاؤں، سمجھانے کا کون سا طرز و اسلوب بیان اختیار کروں کہ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ دل کی معرفت تلواروں کی جھنکار کو بانسری کا سر بنا دیتی ہے، توپوں کی گھن گرج کو بچوں کا کھیل تماشا بنا دیتی ہے۔ میدان کارزار میں جنت کا مزا آنے لگتا ہے، اور رزم گاہ حیات میں ایک شمع فروزاں ہاتھ آجاتی ہے اور رب کریم خود آپ کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے آپ پکڑتے ہیں آپ کا پاؤں بن جاتا ہے جس سے آپ چلتے ہیں آپ کا کان بن جاتا ہے جس سے آپ سنتے ہیں، آپ کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے آپ دیکھتے ہیں۔ یہ الفاظ تو شاید آپ ہی کے ہیں کہ ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز

سلسلہ کلام دراز ہوتا جا رہا ہے آپ کا حافظ یوں بھی بہت کمزور ہے، زیادہ طویل گفتگو شاید آپ ہضم نہ کر سکیں۔ میری یہ مختصر سی گذارش اگر آپ کی گرفت میں آگئی اور اور آپ نے اس پر غور و فکر کیا اور دل کی کھوئی ہوئی پونجی کو حاصل کرنے کی فکر کی تو میں یقین دلاتا ہوں آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو آپ کا کھویا ہوا مقام پھر مل جائے گا جب آپ دل کے مقام کو پہچان لیں گے۔

میرا یہ دعویٰ ادعا محض نہیں ہے بلکہ میری اس جرأت کا سبب میرے آقا کا یہ فرمان ہے جو نبی کی زبان سے ادا ہوا ہے،

انا عند ظن عبدی بی (میرا بندہ میرے ساتھ جیسا اعتقاد رکھتا ہے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں۔

اپنے نبی سے فرمایا:-

واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون ۵

"اور اے پیغمبر! جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اسکی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ نیک رستہ پائیں"۔

مجھے کھو کر یا میری ناقدری کر کے آپ نے اپنا سب کچھ کھو دیا ہے دل کا معاملہ بڑا نازک ہے میں یہاں تک کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ بنانے، کعبہ بے بنیاد ہوتی، اگر اس کی تعمیر میں خلیل اللہ کا سوز جگر اور ذبیح اللہ کا خون دل نہ شامل ہوتا یہ آخری بات ہے جو کہی جا سکتی ہے اس کے بعد اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ جو کام بھی حریم دل کو پامال کر کے کیا جائے گا یا اس میں دل کی ادائیں نہ شامل ہوں گی ناکام ہوگا۔ خدارا آپ میرے مقام کو پہچانیں اور اس کو اس کا حق دیں۔

میں نے کہا دل کی ادائیں، جس کی تعبیر آپ کرتے ہیں، ایمان و احتساب سے' احسان سے اخلاص و للّٰہیت اور انما الاعمال بالنیات سے۔ آخر کے یہ چند الفاظ خلاصہ اور لب لباب ہیں، اس سب کا جواب تک آپ سے کہتا رہا ہوں خلوص وہ چیز ہے کہ اس کا سفینہ ڈوب ڈوب کر ابھرتا ہے اور عدم اخلاص کا سفینہ ساحل سے ہمکنار ہو کر ڈوب جاتا ہے۔

اس سمع خراشی کے بعد سلسلہ کلام ختم کرتا ہوں کہ،

"عقلمند را اشارہ کافی است"

خدا آپ کی کشتیٔ حیات کو سلامت رکھے اور ایمان و احتساب کا فہم و ادراک بخشے ۔

● ●

تائیوان کی اسلامی سوسائٹی کیلئے ۳۰ ہزار ڈالر کا عطیہ

تائیپی ۱۵ نومبر ..... سعودی عرب کے نائب وزیر داخلہ شہزادہ احمد بن عبدالعزیز نے تائیوان کی اسلامی سوسائٹی کے لیے ۳۰ ہزار ڈالر کے عطیہ کا اعلان کیا ہے شہزادہ احمد نے جو تائیوان کے دورے پر ہیں حکومت تائیوان کے اس اقدام کو سراہا کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر کی ادائیگی کی آزادی ہے۔

اسلامی کانفرنس کے منشور میں تبدیلی کی تجویز

جدہ ۱۱ نومبر ..... ہوسوں کے صدر جعفر نمیری نے کہا ہے کہ پندرھویں صدی ہجری میں امت مسلمہ کی تمناؤں کی تکمیل کے لئے اسلامی کانفرنس کی تنظیم کو اپنے منشور میں تبدیلی کرنا چاہئے اپنے اخباری بیان میں انہوں نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم کو مسلم ممالک کی سرگرمیوں میں رابطہ کے لئے بہترین ادارہ قرار دیا۔ انہوں نے اسلامی کانفرنس پر زور دیا کہ وہ مسلم ممالک کی اقتصادی یکجہتی میں اہم کردار ادا کرے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ کانفرنس میں کئی ایک اقتصادی، سائنسی اور ثقافتی ادارے قائم کئے جائیں۔

نگران اعلیٰ:
مولانا ابوالعرفان ندوی
مجلس ادارت:
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دھلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب علوی ؒ

چند تاثرات

شمس تبریز خاں

مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب علوی نے ۱۷ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ / ۲۶ نومبر ۱۹۸۰ء کو نماز عصر کے سجدے میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ محققین کے نزدیک نماز عصر ہی "صلاۃ وسطیٰ" ہے جس کے بارے میں قرآن میں خصوصی تاکید آئی ہے، احادیث کی رو سے اس وقت کارکنان قضا و قدر کی ڈیوٹی بھی بدلتی ہے اور دن کے فرشتے بندوں کے اعمال کی رپورٹ بارگاہ ایزدی میں پیش کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھئے تو مولانا علوی کو حسن خاتمہ کی وہ سعادت ملی جس کی تمنا امت کے اولیائے کبار بھی کیا کرتے تھے اور یہ ایسی سرفرازی ہے جو ہر مومن کا مطلوب و مقصود ہے ؎

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

مولانا مرحوم علویان کاکوری کے اس دودمان عالی کے گوہر شب چراغ تھے جو صدیوں سے اودھ میں علم و ادب، احسان و عرفان، فضل و کمال اور دینی و دنیوی حشمت و وجاہت کا مرکز و معدن رہا ہے اور جس کی طویل، گرانقدر اور مختلف النوع خدمات نے قصبہ کاکوری کو صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بیرون ہند کے علمی و ادبی حلقوں میں متعارف کر دیا ہے۔

مولانا علوی مرحوم مشہور باکمال و صاحب طرز شاعر و نعت گو حضرت محسن کاکوروی (م ۱۹۰۵ء) کے پوتے اور مشہور اردو لغت 'نور اللغات' کے مؤلف مولانا نور الحسن صاحب کے بھتیجے تھے، ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے اور گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ عرصہ ندوۃ العلماء میں رہے، پھر ۱۳-۱۹۱۰ء میں دار العلوم دیوبند جا کر تعلیم مکمل کی اور ۱۳۳۶ھ کے خصوصی جلسۂ تقسیم اسناد حاصل کی جس پر اس وقت کے مشاہیر علمائے دیوبند، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دستخط تھے۔

فراغت کے بعد کچھ عرصے تک اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر جامعیت اور طلب کمال کے لئے ۱۹۲۵ء میں ہائی اسکول، ۱۹۲۸ء میں انٹر ۱۹۳۰ء میں بی۔ اے، ۱۹۳۲ء میں ایم۔ اے کیا اور ۱۹۳۴ء میں "ملک شاہ سلجوقی" پر عربی میں مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ حاصل کیا، ۱۹۲۳ء سے ۱۹۶۳ء تک شعبۂ مشرقیہ میں طویل تدریسی خدمات انجام دیں پھر ۱۹۷۰ء تک یو۔ جی۔ سی پروفیسر کی حیثیت سے علمی مشاغل جاری رکھے، ۱۹۵۹ء میں انھیں صدر جمہوریہ نے عربی کے ممتاز عالم کی سند دی۔

مولانا علوی مرحوم، علماء کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو دین و دنیا کی جامعیت، ہمہ گیر ثقافت اور گوناگوں فضل و کمال سے موصوف تھی اور اپنی متنوع خصوصیات و کمالات کے سبب ایک جامع و مکمل شخصیت کی مالک ہو گئی تھی اور جس کے سبب زندگی میں ایک توازن و تناسب نظر آتا تھا اور علم و زندگی کے کسی پہلو کی حق تلفی نہیں ہوتی تھی۔

وہ دار العلوم دیوبند کے ان ممتاز علماء میں تھے جنھوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے تلمذ اور بیعت کا شرف حاصل کیا اور اپنی ثقافت سے ذہنی و عملی طور پر وافر حصہ پایا اور اس کے ساتھ ہی دنیوی علوم کی اعلیٰ ڈگری بھی حاصل کی اور جدید یونیورسٹیوں کے ماحول میں اسلامی ثقافت کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشاں رہے اور دینی استقامت کی ایک نظیر قائم کی۔

یونیورسٹی کا مغربی ماحول انکی شرقیت و اسلامیت کی راہ میں حائل نہیں ہوا اور انھوں نے بڑی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی وضع اور روش برقرار رکھی، ایک کامیاب اور شفیق استاذ ہونے کے ساتھ وہ ایک اچھے اہل قلم بھی تھے، رسائل و مجلات میں ان کے دینی و علمی مضامین برابر نکلتے رہتے تھے، وہ اکثر نئے موضوعات پر اچھوتے انداز سے اظہار خیال فرماتے تھے مثلاً "فقیہ مصر و فقیہ شام" کے عنوان سے انھوں نے لیث بن سعد اور امام اوزاعی کی سیرت لکھی اور ان کے فقہی مسلک پر تبصرہ کیا۔ ان کی دوسری کتابوں میں "سبل السلام"، "محتسب اسلام"، "گنج رواں" ہیں۔ فیملی پلاننگ کا جب فتنہ کھڑا ہوا اور عوام و خواص میں جب اس مسئلے کی حقیقت کی جستجو پیدا ہوئی تو انھوں نے اپنے کتابچہ "تحدید نسل" میں موافق و مخالف روایات کو اہل علم کے سامنے رکھ دیا اور اپنے عالمانہ تجزیے کے ذریعہ اس مسئلے کے بعض نئے گوشوں کی وضاحت کی۔

کچھ عرصہ پہلے انھوں نے ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ میں عہد عالمگیری کے علماء پر ایک طویل فاضلانہ و محققانہ بالاقساط شائع کیا تھا جو اگر مکمل ہو جاتا تو عہد عالمگیری کی ایک اچھی ثقافتی تاریخ مرتب ہو جاتی۔

ان کی آخری کتاب جو منظر عام پر آئی وہ "قائد بدر و احد" ہے جو سیرت نبویؐ کے ایک نئے پہلو یعنی غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائدانہ اور مثالی کردار اور حکمت عملی سے بحث کرتی ہے۔

یہ کتاب مولانا کی ذہانت و حسن طبیعت اور دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا ایک خوشگوار نمونہ ہے اور سیرت نبویؐ کے اس پہلو سے بحث کرنے والی کتابوں میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔

ان کی ایک اور کتاب جو ان کی اور بہت سی کتابوں کی طرح مسودہ کی شکل میں موجود ہے "فتاویٰ ابن تیمیہ" کی ضخیم جلدوں کی تلخیص اور ترجمہ ہے جسے مولانا مرحوم نے اپنی پیرانہ سالی میں بڑی محنت سے مکمل کیا تھا۔

مولانا مرحوم کو میں نے سب سے پہلے ۱۹۶۱ء میں دار العلوم دیوبند میں دیکھا تھا جب وہ حسب معمول مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اپنے چار سالہ قیام دیوبند میں میں مولانا کی اس "بزم بے تکلف" میں شریک ہونے کی مسرت حاصل کرتا رہا جو مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب (ناظم کتب خانہ دار العلوم) کی قیام گاہ پر منعقد ہوتی تھی، مولانا مرحوم میر محفل ہوتے اور دار العلوم میں بیتے دنوں اور اپنے اساتذہ کے شوق انگیز واقعات سے اہل مجلس کو مستفید فرماتے، اس کے ساتھ ہی اپنی غزلوں اور نعتوں کو اپنے مخصوص ترنم اور طرز ادا کے ساتھ پڑھتے جن میں وہ اپنے نامور دادا حضرت محسن کے سچے جانشین تھے۔ ان کی غزلوں اور نعتوں میں صالح و صحت مند خیالات اور پاکیزہ جذبات کے ساتھ زبان کا لطف اور روزمرہ و محاورہ کی شیرینی و چاشنی شیر و شکر ہوتی تھی۔ لکھنؤ آنے کے بعد مولانا کی قیامگاہ (مولوی گنج) پر جب بھی جانا اور ان سے ملنا ہوتا، نہایت شفقت و محبت اور بزرگانہ عنایت کے ساتھ ملتے اور بغیر خاطر و تواضع کے رخصت نہیں فرماتے تھے، گفتگو ایسی دلکش اور دلچسپ کرتے کہ ان کی صحبت سے اٹھنے کو جی نہ چاہتا، ان کی عالمانہ گفتگو سے ان کی ذہانت و فطانت، حقیقت پسندی و زمانہ شناسی اور مجتہدانہ مذاق کا اندازہ ہوتا تھا، وہ عصر حاضر کے مسائل پر بڑے بصیرت افروز خیالات کا اظہار فرماتے جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ پیرانہ سالی کے باوجود وہ عصری مسائل اور نئے زمانہ کے چیلنجوں پر نظر رکھتے ہیں اور فقہ و شریعت اسلامی کے ذخائر میں ان کا حل تلاش کرتے رہتے ہیں۔

ان کی علمی صحبتوں میں بارہا ایسا خوشگوار اتفاق ہوا کہ انھوں نے عربی میں بے تکلف گفتگو شروع کر دی، اس طرح وہ عربی کے طلبہ و اساتذہ میں عربی بولنے اور اسے ایک زندہ زبان کی طرح برتنے کا رجحان پیدا کرنا چاہتے تھے۔

اپنے علمی کمالات کے ساتھ وہ عملی و اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے ان کے دادا مرحوم حضرت محسن کے بارے میں پڑھا تھا کہ ان سے کسی کو کبھی شکر رنجی کی بھی نوبت نہیں آئی، خوش مزاجی، خوش خلقی، نرمیٔ طبع اور خوش اخلاقی کی یہ دیرینہ روایت ان کے حصہ میں بھی آئی اور میرا خیال ہے کہ ان سے بھی شاید کسی کو شکر رنجی و شکایت پیدا ہوئی ہو۔

حضرت حافظ کا شعر ان کی زندگی کا لائحہ عمل تھا کہ ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

حیدرآباد کی چند نورانی محفلیں

از

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی

(۱۰ جون ۱۹۸۰ء حیدرآباد دکن بنجارہ ہل برمکان عبداللہ پٹنی صاحب)

میں عثمانیہ یونیورسٹی ایک علمی کام کے لئے گیا تھا کہ اچانک ڈاکٹر سید ابراہیم ندوی نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیدرآباد میں تشریف فرما ہیں۔ ڈاکٹر عبدالستار خاں صدر شعبۂ عربی نے فرمایا کہ وہ بنجارہ ہل پر قیام پذیر ہیں، یہاں سے فارغ ہو کر سیدھے ان کی قیام گاہ پر چلیں گے چنانچہ یہی ہوا۔ ہم لوگوں نے آٹو کیا، اور حضرت کی خدمت میں پہونچ گئے، پہلے مولانا معین اللہ صاحب ندوی سے ملاقات ہوئی انھوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا بمبئی سے حیدرآباد تشریف لائے ہیں۔ ندوہ میں کتبخانہ کی عمارت بن رہی ہے اس کے لئے بعض اشیاء کی خریداری بھی پیش نظر ہے۔ حضرت مولانا تشریف لائے۔ مصافحہ اور معانقہ سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت سامعین میں دس پندرہ آدمی تھے چار بجے کا وقت تھا۔ ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب حضرت سید احمد شہید کے ایک مرید و معتمد علیہ مغیث الدینؒ کے ایک عزیز کو لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، انکے بزرگ دیوبندی تھے مگر حیدرآباد آبسے تھے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں نے مغیث الدین صاحبؒ کے اعزہ کو بہت تلاش کرایا مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ مجھے ہر اس شخص سے محبت ہے جس کا تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ سے رہ چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ مغیث الدین صاحبؒ حضرت شہیدؒ کے تمام خطوط کے بھی انچارج تھے ایک بار ایک جہاز حج کے لئے انھیں کی امارت میں گیا تھا۔

مولانا نے اس موقع پر حضرت سید احمد شہیدؒ کا ایک مکاشفہ بیان فرمایا کہ جب وہ اس کھیت کے پاس گذرے جہاں اب دیوبند میں دارالحدیث کی عمارت ہے تو فرمایا کہ یہاں سے مجھے علم کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے فرمایا کہ حضرت شہیدؒ نے تاسیس دارالحدیث سے ۱۰۰ برس قبل یہ پیشین گوئی کی تھی حالانکہ عالم مادی میں مدرسہ تھا اور نہ دارالحدیث۔

میں نے مزید تشریح چاہی تو فرمایا کہ یہ مکاشفہ علمائے دیوبند میں معروف و مشہور ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے والد اور اس دور کے علماء میں دیوبند میں اس مکاشفہ کا ذکر عام تھا۔ صدیقی صاحب جو حضرت مغیث الدین صاحبؒ کے عزیز تھے انھوں نے دریافت کیا کہ حضرت شہیدؒ کے ان مرید کا ذکر کہاں ملے گا؟ فرمایا کہ نزہۃ الخواطر جلد سات دیکھئے جو حال ہی میں دائرۃ المعارف سے طبع ہوئی ہے۔

اس دوران اکبر علی خاں صاحب سابق گورنر یوپی تشریف لائے۔ مولانا نے ان کا استقبال کیا۔ انھوں نے مولانا آزاد پر تقریر کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نے منظور فرمالی اور کہا کہ میں مولانا کی قرآنی خدمات پر تقریر کروں۔ جناب اکبر علی صاحب نے کہا کہ میں نے وزیراعظم سے درخواست کی تھی کہ مولانا آزاد کی قبر کو عوام کے لئے کھول دیا جائے حضرت مولانا مسکرائے اور فرمایا کہ قبر پرستی نہ شروع ہوجائے۔

اس کے بعد نشست عبداللہ پٹنی صاحب کے مکان کے بغلی حصہ میں درختوں کے نیچے منعقد ہوئی۔ بڑا دلکش منظر تھا۔ دو تین تکیے لگا دیے گئے۔ حضرت مولانا تشریف لائے۔ فرمایا کہ آج عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ کمیونزم ہے۔ ہم نے خصوصاً ہندوستان میں اس کے خلاف فضا ہموار نہیں کی۔ ہم نے عوام کو آگاہ نہیں کیا کہ اگر وہ آگیا تو کچھ باقی نہیں رہے گا حتی کہ ایسی محفل جس میں ہم لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی نہیں ہوسکیں گی۔

فرمایا کہ اس کا تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب میں شام اور عراق گیا۔ دو اشخاص مجھ پر مسلط کر دیئے گئے۔ مجال نہ تھی کہ میں کسی عالم یا عامی سے کچھ گفتگو کرسکتا۔ ایک بڑے عالم سے ذرا سا موقع ملا تو انھوں نے مسلمانوں پر مظالم کا ذکر کرنا چاہا کہ فوراً ان دونوں میں سے ایک شخص بھاگ کر میرے پاس آگیا کہ ایسا نہ ہو کہ حقیقت حال ظاہر ہوجائے۔

فرمایا کہ دمشق میں جمعہ آگیا میرے لئے جمعہ کی نماز کا انتظام شہر سے بہت دور مسجد الشہداء میں کیا گیا تھا تاکہ فاصلہ طویل ہونے کے بعد لوگ وہاں تک پہونچ نہ سکیں مگر اسلامی حلقہ نے خاصہ اشتہار دیا تھا، مسجد بھر گئی۔ فرمایا کہ مسجد الشہداء اس کا نام اس طرح پڑا کہ قاسم نے اس مسجد میں بہت سے لوگوں کو شہید کیا تھا۔ فرمایا کہ نماز بعد لوگوں نے مطالبہ کیا کہ شیخ ابوالحسن آئے ہوئے ہیں ان کی تقریر ضروری ہے مگر معاملہ یہ تھا کہ میں گھبرا رہا تھا کہ بات اگر کھل کر کروں تو حکومت کا ڈر ہے اور اگر نہ کہوں تو کیا کروں علماء بھی فکرمند تھے فرمایا کہ میں نے حضرت احنف جو حضرت علیؓ کے خاص لوگوں میں سے تھے ان کی کتاب قیام اللیل میں ایک واقعہ پڑھا تھا کہ انھوں نے "فیہ ذکرکم" والی آیت پڑھ کر قرآن مجید میں اپنا ذکر ڈھونڈھنا شروع کیا اصحاب جنت کی آیتیں پڑھیں پھر اصحاب جہنم سے متعلق حالات پڑھے مگر ان میں اپنے ذاتی اعمال سے مطابقت نہ پائی پھر یہ آیت سامنے آئی۔ "وآخرون خلطوا عملاً صالحاً وآخر سيئاً" (اور دوسرے ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے اچھے اعمال کچھ برے اعمال سے ملادیا)۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے قرآن مجید سے ایسی آیتیں جہاں جباروں اور ظالموں کے مسلمانوں پر ظلم کا بیان ہے پڑھنی شروع کیں اس طرح کہ حالات کے مطابق بھی ہوں اور کوئی گرفت بھی نہ ہوسکے۔ فرمایا وزیر اوقاف سامنے تھے میں نے قرآن مجید سے اپنی پوری بات کہہ دی اور گرفت بھی نہ ہوسکی۔ فرمایا کہ دنیا میں کسی قوم نے ایسی بہادری اور جانبازی کی مثال پیش نہیں کی جیسی افغانیوں نے کی ہے۔ جہاں اشتراکی جاتے ہیں سب کو ختم کر دیتے ہیں کوئی سر نہیں اٹھا سکتا۔ مگر افغانیوں نے قربانی، صبر اور عزم محکم کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ روسیوں اور اشتراکیوں کو مقابلہ کرنا پڑا ہے، پھر دریافت فرمایا کہ افغانیوں کی حمایت میں کوئی جلسہ حیدرآباد میں منعقد کیا گیا؟ لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا کہ جلسہ کیجئے تاکہ دنیا کو معلوم ہوسکے کہ ہم ظلم سے خوش نہیں ہیں۔

فرمایا کہ جن ملکوں میں مسلمان رہ چکے ہیں مگر اب گردش زمانہ سے وہاں کی فضا ایمان سے خالی ہے ان مقامات پر عجب کشش محسوس ہوتی ہے۔ فضا میں ایک ایمانی کیف موجود ہے، فرمایا کہ میں نے اسپین میں قرطبہ اور اشبیلیا وغیرہ کا دورہ کیا وہاں میں نے ذکر کیا۔ جو لطف و لذت اور حقیقی کشش وہاں میں نے ذکر میں محسوس کی اس کا تصور بھی دوسری جگہ نہیں ہوسکتا۔ فرمایا کہ حال ہی مسجد قرطبہ حکومت نے مسلمانوں کے حوالہ کردی ہے۔ کچھ عرب مسلمان مراکش سے یہاں جاکر بس گئے ہیں۔ مولانا نے بڑی حسرت سے فرمایا کہ یہ وہی سرزمین ہے جہاں سے امام شاطبی اور شیخ اکبر جیسے عظیم مفکرین اسلام اٹھے۔

فرمایا کہ سارے عالم اسلام میں صرف ایک ہستی شیخ حسن البناءؒ کی تھی جنھوں نے تہیہ کیا تھا کہ اندلس کو پھر سے تبلیغ اسلام کے ذریعہ سے واپس لیں گے۔ ■■

سرزمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات

شمامۃ العنبر

زعفرانی حنا

کارخانہ

محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس

یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں

ہندوستان میں

عربی زبان و ادب کا ارتقاء

ایک جائزہ

از: ڈاکٹر شبیر احمد ندوی قادر آبادی

عرب و ہند کے تعلقات بہت قدیم اور اس کی سرحدیں انتہائی وسیع تر ہیں، یہ تعلقات اس وقت بھی تھے جب کہ اسلام کا چاند ابھی طلوع بھی نہیں ہوا تھا یعنی تجارتی تعلقات کا ایک مضبوط رشتہ دونوں ملکوں میں قائم تھا۔ ہندوستانی باشندے عرب جاتے اور تجارتی امور کے سلسلے میں وہاں مہینوں قیام کرتے، اسی طرح تاجران عرب بھی سواحل ہند (کاٹھیاوار، گجرات، بمبئی، مالابار) سے تجارت کرتے تھے جس کے نتیجہ میں دونوں ممالک ایک دوسرے کی تہذیبی اور معاشرتی زندگیوں سے کافی متاثر ہوئے اور اس میدان میں انہوں نے ایک دوسرے سے بہت کچھ لین دین بھی کیا جس کی یادگار بہت سے عربی کلمات بالخصوص وہ تجارتی مصطلحات ہیں جو ہندوستان کے ساحلی علاقوں کی زبان میں داخل ہوگئے، اور بقول مورخ فرشتہ:-

"عرب، ہندوستان میں اپنی حکومت سے قبل بھی قیام کرتے تھے اور یہاں ہنود کی بھی آمد و رفت تھی، کیونکہ یہاں بہت بڑا صنم خانہ تھا اس طرح عربوں اور ہندوستانیوں کا پہلا ارتباط تجارتی اغراض اور مماثلت عقائد پر مبنی تھا"

.... اور اس کے بعد ۷۱۱-۱۲ء میں جب سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہوگیا اور اس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ جنوبی ہندوستان میں ساحلی علاقوں پر عرب تاجروں کی باقاعدہ بستیاں آباد ہوگئیں۔

اس طرح ایک طرف اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، غوری و غزنوی اپنی ظفر مندیوں کے پھریرے لہراتے رہے، تو دوسری طرف علم و عمل کی روشنی بھی بڑھتی گئی۔ سندھ، ملتان، لاہور میں ایسے شاندار علمی مراکز قائم ہوئے جن کی نظیر آج اس دور میں بھی ملنی مشکل ہے۔ آٹھویں اور نویں صدی میں سندھ میں اسلامی علوم نے کافی ترقی کر لی تھی اور بعض علماء نے تو اتنی صلاحیت پیدا کر لی تھی کہ عربی دنیا میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جن میں ابو نصر سندھی، ابو عطا سندھی، ابو ضلع سندھی بہت مشہور ہیں عہد غزنوی میں یہ سلسلہ کچھ اور ہی قوی اور دراز تر ہوگیا۔ اس میں ان علماء کا بہت بڑا ہاتھ تھا جو ممالک عربیہ اور بلاد عجمیہ سے فاتحین کے ساتھ وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے رہے۔ اس وقت کے علماء میں شیخ اسماعیل بخاری کو یہ شرف حاصل ہے کہ فن تفسیر و حدیث کا آغاز ان کی ذات سے ہوا۔ شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش (م ۱۰۷۲ء) اسی دور کے آفتاب و ماہتاب ہیں، جن کی علمی و روحانی فیض بخشیوں سے لاہور "مرکز اسلام ہند" میں شمار ہونے لگا تھا اور غوریوں کے زمانہ میں تو ہندوستان، بغداد و قرطبہ اور مصر و شام کی ہمسری کرنے لگا تھا، اس طور پر کہ مولانا رضی الدین حسن الصغانی، صاحب مشارق الانوار ۶۱۵ھ/۱۲۱۸ء میں جب بغداد پہونچے ہیں تو بڑے بڑے علماء کی گردنیں فرط عقیدت سے ان کے سامنے جھک گئیں۔

تیرہویں صدی عیسوی ہندوستان کے لئے علمی بہار کا زمانہ تھا ایک طرف خودمختار مسلم ریاستوں کی بنیادیں پڑ رہی تھیں تو دوسری طرف علمی و ادبی زندگیاں عالم شباب میں داخل ہو رہی تھیں۔ بغداد و بخارا کے ٹوٹے ہوئے ستارے ہندوستان کی فضائے علم پر چاند اور سورج بن کر نمودار ہو رہے تھے بقول منہاج السراج

"ہندوستان مرکز دائرہ اسلام و محیط اوامر و نواہی شریعت و حوزۂ دین محمدی و بیضۂ ملت احمدی و قبۃ الاسلام بن گیا تھا"

قطب الدین ایبک، ہندوستان کا پہلا خودمختار مسلم حکمراں تھا جس کی معارف پروری نے بہت جلد ہی علماء کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور شمس الدین التمش تو ایک درویش صفت بادشاہ تھا ہی۔ اسے علماء و مشائخ کی صحبت کا بے حد شوق تھا، اس کی قدردانی نے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ، قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ جلال الدین تبریزی۔ شیخ محمد ترک نارنولی، مولانا مجد الدین حاجیؒ، مولانا منہاج السراج مورخ، شیخ نظام الدین ابو المؤید جیسے جید علماء و مشائخ کی کہکشاں چن دی تھی۔

غیاث الدین بلبن کا زمانہ اپنی انفرادی خصوصیات کے لئے ممتاز ہے۔ ہلاکو خاں نے اسی وقت ہندوستان پر حملہ کیا تھا، سارا عالم اسلام ایک انتشار کے دور سے گذر رہا تھا، علماء کسی جائے پناہ کی تلاش میں تھے، ایسے میں بلبن جیسے سخت گیر بادشاہ کی سرپرستی قابل صد ستائش ہے۔ اس نے اس برگشتہ قسمت علمی قافلہ کو خوش آمدید کہا جو لوح و قلم کی متاع بے بہا لئے ادھر ادھر بھٹک رہا تھا، اور اس طرح اس نے ہندوستان کی علمی دنیا کی رونق دوبالا کردی۔ ضیاء الدین برنی ان تازہ وارد علماء کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ہم در عصر پادشاہی سلطان بلبن چندیں علماء برآمدہ کہ از نوادر استاذاں بودند"

بلبن کے بیٹے شہزادہ محمدؒ کے زمانہ میں ملتان جو ہندوستان کے تین قدیم علمی دانش کدوں میں سے ایک ہے، اپنی انتہائی ترقی اور عروج کو پہنچ گیا تھا، ایک زمانہ تو ملتان پر وہ گذرا ہے کہ یہاں کے لوگ عربی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے (استخری، ابن حوقل) اور چوتھی صدی ہجری میں جب بشاری پہنچا ہے تو اس نے فارسی کو یہاں کافی مقبول پایا۔ یہاں کے مدارس نہایت اعلیٰ اور تعلیم کا انتظام بہت ہی معقول تھا۔ یہیں پر ۱۱۹۲ء میں بابا فرید گنج شکر نے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن گردش لیل و نہار نے ان طویل صدیوں میں وہاں کی علمی رونق ختم کر دی تھی، مگر بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن نے جب اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو وہاں بھیجا تو ایک بار پھر سے علمی محفلیں گرم ہوگئیں اور ملتان علماء و فضلاء کا مرکز بن گیا۔

علاء الدین خلجی خود تو کوئی زیادہ پڑھا لکھا شخص نہ تھا لیکن اس کے زمانہ میں مسلمانوں کے سیاسی و تمدنی، علمی اور روحانی ادارے اپنے پورے شباب پر پہونچ گئے تھے۔ بقول مورخ ضیاء الدین برنی:-

"اس وقت دہلی میں ایسے ایسے ماہرین علوم و فنون اکٹھا ہوگئے تھے کہ سمرقند و بخارا، مصر و بغداد، دمشق و تبریز اور روم میں ان کا ثانی ملنا مشکل تھا، صحیح معنوں میں یہ دور ہندوستان میں علوم اسلامیہ کے لئے عہد زریں تھا کیونکہ سرزمین ہندوستان کی علمی فضا اب اس لائق ہوگئی تھی کہ رازی و غزالی کے پایہ کے عالم پیدا کرسکے"

سلطان محمد بن تغلق کا دور بھی اپنی علمی سرگرمیوں کے لئے کچھ کم اہم نہیں ہے، وہ خود ایک عالم فاضل شخص اور علماء کی صحبت کا دلدادہ تھا۔ اس کے دسترخوان پر عموماً دو سو فقہاء بیک وقت موجود رہا کرتے تھے جن سے وہ مسائل فقہیہ میں بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا، قلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں لکھا ہے کہ:-

"محمد بن تغلق کے وقت دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے"

اور علماء میں مولانا ضیاء الدین بخشی، جمیل الدین عمرانی، عفیف الدین کاشانی، ناصر الدین واعظ ترمذی، عبدالعزیز اردبیلی، شیخ ابوبکر خلال جیسے ماہرین فن سے عوام و خواص یکساں فائدہ اٹھا رہے تھے۔

عہد سکندری کی سعادت اور فیروز مندی کے لئے صرف یہ دلیل کافی ہے کہ علامہ جلیل شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اسی دور کو

"زمانہ صلاح و تقوی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ "از اکابر علما، از اطراف واکناف عالم از عرب وعجم دراں زمان تشریف آوردہ دریں دیار توطن فرمودند" شیخ عبداللہ وعزیز اللہ کی معنیٰ آفرینیوں اور شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی کی زمزمہ سنجیوں سے یہ دور زعفران زار ہو رہا تھا، فارسی عوام کے لئے ذریعۂ اظہار اور دفتروں کے لئے قانون کی زبان بن گئی تھی، جا بجا درس کے حلقوں نے علم وعرفان کا فیض جاری کر رکھا تھا۔

مذکورہ بالا علمی جائزہ نامکمل رہے گا اگر ہم اس دور کی "علمی وادبی سرگرمیوں میں خودمختار مسلم ریاستوں کے علمی تعاون" کا مطالعہ نہ کریں بلکہ اس موقع پر ان علمی شمعوں کا تذکرہ بے حد ضروری ہے جنھوں نے دہلی واطراف دہلی کو بقعۂ نور بنا دیا تھا ان میں جون پور، بہار، بنگال، کشمیر اور دکن کی ریاستوں میں مالوہ، شادی آباد، مانڈو، بیجاپور، گولکنڈہ، اور احمد آباد گجرات وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان کی معارف پروری اور علما نوازی نے دہلی سے دکن تک اودھ سے جون پور تک، بہار سے بنگال تک یعنی ہمہ چہار جانب سے ہندوستان کو عظیم علمی شاہراہوں کے ذریعہ مربوط کر رکھا تھا۔

ان میں جون پور کو واقعی اولیت اور اہمیت حاصل ہے۔ عہد سکندری ہی میں جون پور اوج ثریا تک پہنچ گیا اور شاہ جہاں کے زمانہ میں "شیراز ہند" کے خطاب سے سرفراز تھا۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے جون پور کے علمی حیثیت میں اور ہی چار چاند لگا دئے تھے۔ دکن کی آزاد ریاستوں میں مالوہ نے وہ عروج حاصل کیا تھا کہ مالوہ "یونان ثانی" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ بیجاپور کا حکمراں ابراہیم عادل شاہ تو اس قدر باذوق تھا کہ فن خوشنویسی میں اس کے زمانہ میں اسکا کوئی حریف وثانی نہ تھا۔ بستان السلاطین میں ہے کہ:

"بادشاہ تمام قلموں کا بادشاہ تھا"

عہد اکبری کے مشہور دانشور حکیم ملا فتح اللہ شیرازی، مغلوں سے پہلے بیجاپوری ریاست سے ہی وابستہ تھے اور احمد آباد گجرات تو علم و حکمت کا سرچشمہ تھا، اس نے اپنے صاحب ذوق اور نکتہ شناس والیوں (محمود شاہ، احمد شاہ، فیروز شاہ) کے زمانہ میں فکر وفن کے بے شمار دریا بہائے ہیں۔ شیخ العرب والعجم شیخ علی المتقی اور علامۃ المحدث شیخ محمد طاہر پٹنی کی خدمات جلیلہ گجرات کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ اسی طرح دوسری مسلم ریاستوں یعنی کشمیر، بنگال اور بہار کے علمی تعاون کے بارے میں قیاس کیا جاسکتا ہے۔

یہ عہد مغلیہ سے پہلے کا ایک سرسری علمی جائزہ تھا، اب ہم اصل موضوع یعنی "عہد مغلیہ میں عربی زبان وادب کا ارتقاء اور اس میں ہندوستانیوں کا حصہ" کی طرف آتے ہیں، عربی زبان وادب کے تعلق سے اس دور کا مطالعہ یقیناً ایک دلچسپ بات ہے کیوں کہ ہندوستان میں مغلوں کی آمد بلاشبہ تاریخ عالم کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ یہ مورخ کا کام ہے کہ اس کے سیاسی اثرات نیز اس کے دور رس نتائج کی تعیین کرے لیکن تعلیمی وتہذیبی نقطۂ نظر سے مغلوں کی آمد نے بیشک ہندوستان کی حیات اجتماعیہ کے دامن کو بے شمار گل ولالے سے بھر دیا تھا اور ان کی آمد سے معیشت ومعاشرت اور تعقل وتفلسف کی ایسی ایسی لہریں اٹھی تھیں جس سے صدیوں برس پہلے اور بعد کے دور دراز گوشے تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں تیمورلنگ کا یہ جملہ بہت ہی معنی خیز تھا کہ "میں نے تلوار صرف اس لئے اٹھائی کہ اپنے وطن عزیز سمرقند وبخارا کو دنیا کے تمام نفیس ہیرے جواہرات اور ساتھ ہی یکتائے روزگار علماء وفضلاء سے آراستہ کرکے اسے عالمی تہذیب وتمدن کے گلے کا ہار بنا دوں"۔ ہندوستان آنے والی مغلوں کی تیموری شاخ اسی جذبے سے سرشار تھی، بہرحال مغل ہندوستان آئے اور اسے اپنا وطن بنا کر اس کی تحسین وتزئین میں لگ گئے۔ انہوں نے دنیا کے ان گنت نوادرات کو یہاں اکٹھا کر لیا۔ فنون ادبیہ اور فنون لطیفہ کو معراج کمال تک پہنچا دیا، اپنے خزانوں کے منہ کھول کر ساری دنیا کے فنکاروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اس طرح سارے عالم کو انھوں نے ہندوستان کی عظمت کے لئے لال قلعہ کے شکوہ کا، تعلیمی ترقی وروحانی پاکیزگی کے لئے جامع مسجد دہلی کے وقار کا، اخلاق ومروت اور تہذیب ومعاشرت کے لئے تاج محل کے دلگداز جمال کا آئینہ دکھا دیا، آئندہ سطریں اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کے بیچ سے بابر عظیم جب تزک بابری کے لئے نمودار ہوتا ہے تو مغلوں کا صحیح خد وخال نمایاں ہوتا ہے کیوں کہ ان مغلوں نے ایک طرف ثقافتوں کی شمعیں کسب نور کیا تھا تو دوسری طرف اساتذۂ فکر وفن کے آستانوں سے فیض بھی حاصل کیا تھا۔ اسی لئے شیخ زین الدین خوافی، مولانا بقائی، مولانا شہاب الدین وغیرہ کی صحبتیں بابر کو زیادہ ہی عزیز تھیں اور حکیم بادشاہ ہمایوں جس کے علم کی راہ میں اپنی جان عزیز تک دے دی۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ محمد غوث گوالیاری، میر جمال الدین محدث، شیخ الاسلام سیف الدین احمد تفتازانی کے ارشادات وہدایات کو اپنی چشم بصیرت کے لئے کحل الجواہر سمجھتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ زمانہ بدوشی کے دنوں میں جب خانماں برباد ادھر ادھر بھٹک رہا تھا تو اس وقت بھی علامہ الیاس منجم اردبیلی اور شیخ ابوالقاسم جرجانی کے ساتھ محفل درس کئے رہتا تھا۔ تیموری مغلوں کی یہی فطرت سلیمہ تھی یا عادت ثانیہ۔ اسی آئینہ میں ان کی شناخت ہو سکتی ہے اور اس سے باہر کچھ بھی نہیں۔

اکبر کا دور اس کی سیاسی کامرانیوں اور ملکی فتوحات کے لئے زیادہ مشہور ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک بھرپور علمی بیداری کا زمانہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا رخ کچھ ابن الوقتوں نے غلط سمت میں موڑ دیا تھا، کاش کہ اہل علم مخلص اور محتاط ہوتے اور اپنی بے نفسی سے احیاء دین وملت کا کام لیتے تو جو اکبر اپنی مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔ شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا اور درس حدیث کے لئے ان کی چوکھٹ پر حاضر ہوا کرتا تھا وہ مامون ثانی بھی ہو سکتا تھا لیکن اغراض ومفاد نے مال وجاہ کی محبت میں لگا کر حاملین علوم نبوت کو ان کے حقیقی مقام سے ہٹا دیا، حالاں کہ نصاب تعلیم کی تشکیل، عصری علوم کی طرف توجہ اور دیگر فنون کو عربی وفارسی میں منتقل کرنے کی سرگرمی کے لئے یہ دور ممتاز ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا جس کے بارے میں ابوالفضل کا کہنا ہے کہ،

"اس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں لے سکتا تھا"

اسی دور کے مشہور سائنسداں ملا فتح اللہ شیرازی اپنی تمام سرکاری مصروفیتوں کے باوجود درس وتدریس کی شمع جلائے رہتے تھے۔ ملا عبدالسلام لاہوری ان کے نامور شاگردوں میں سے ہیں جن کا سلسلۂ تلمذ بانیٔ نصاب درس نظامی تک پہنچتا ہے اور شیخ حاتم سنبھلی کی وہ عجوبۂ روزگار ہستی ہے جس نے اپنے درس کے حلقوں میں تیس بار شرح مفتاح اور چالیس بار مطول ختم کرائی۔

فن حدیث کی خدمت کے لئے دوسرے ادوار مشکل ہی سے اس کی ہمسری کر سکتے ہیں چنانچہ علوم عقلیہ میں جہاں ملا فتح اللہ شیرازی، شیخ حاتم سنبھلی، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی، ناقابل فراموش ہیں، وہیں حدیث شریف کی خدمت کے لئے ملا عبداللہ سلطان پوری صاحب "عصمۃ الانبیاء" شیخ عبدالنبی صدر الصدور صاحب "سنن الہدیٰ" شیخ علی متقی صاحب "کنز العمال" شیخ محمد بن طاہر پٹنی صاحب "مجمع البحار" سید عبدالاول جون پوری اور نومسلم محدث شیخ جوہر ناتھ کشمیری تاقیام قیامت یاد رکھے جائیں گے۔

(باقی آئندہ)

खून सफ़ा
خون صفا
خون کی خرابیوں، پھوڑے پھنسی اور کھجلی کے لئے

खून की खराबी फोड़े फुंसी
और खुजली के लिये
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
दवाखाना तिब्बिया कालिज मु॰यु॰ अलीगढ़

عراق اور ایران میں

اصل جھگڑا کیا ہے؟

امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے سابق آفیسر اور بین الاقوامی امور کے نامور وکیل چارلس ہیپلنگ جونیئر کے قلم سے ایک جائزہ

عراق اور ایران کے درمیان پوری شدت سے جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے جنگ کی فوری وجہ نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ ایسی صورت میں عراق کا یہ دعوی کو جنگ کے ذریعے سے وہ محدود مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے غیر متعلق ہو کر رہ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شط العرب کی آبنائے پر کنٹرول حاصل کرنے کا جھگڑا بہت پرانا ہے۔ شط العرب عراق اور ایران کے درمیان وہ آبنائے ہے جو دریائے فرات اور دریائے دجلہ کو القرنا کے مقام پر ملاتی ہے جس کی وجہ سے عراق نے حملہ کیا تھا، جب جنگ کی وجہ سے دونوں ملکوں کا اسلحہ ختم ہو جائے گا تو بات چیت کی میز پر شط العرب کی حیثیت سب سے اہم مسئلہ ہوگا۔ شط العرب کے نچلے پچاس میل متنازعہ سرحد کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ عراق اور ایران دونوں کے لئے اقتصادی اور فوجی لحاظ سے بہت زیادہ اہم ہیں۔

خلیج فارس پر ام القصر کے ایرانی ریلوے اسٹیشن کے علاوہ شط العرب عراق کے سمندر تک پہنچنے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے بہت اہم ہے اس کے ذریعے سے دریائی ذریعے کے جہاز بصرہ کی بندرگاہ تک سامان لاتے ہیں اور وہ تیل باہر لیجاتے ہیں جو پائپ لائن کے ذریعے سے برآمد نہیں کیا جاتا۔

ایران کے لئے بھی یہ آبنائے اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی عراق کے لئے، اس کے ذریعے سے تیل کی اہم بندرگاہوں خرم شہر اور ابادان کو مشینری اور دوسرا ساز وسامان پہنچتا ہے اور اس کے ذریعے سے ایران کی ۳ لاکھ بیرل روزانہ نکلنے والے تیل کا کچھ حصہ ان بڑے تیل بردار جہازوں تک پہنچتا ہے جو خلیج فارس میں کھڑے ہوتے ہیں، موجودہ جنگ کو جو شط العرب کے مسئلے پر شروع ہوئی ہے صرف بہانہ نہیں کہا جاسکتا، شط العرب کے تنازعے کا پس منظر ایک صدی سے بھی زیادہ پرانا ہے۔

۱۸۰۰ء میں یہ آبنائے ترکیہ کی خلافت عثمانیہ میں شامل تھی اور اس کے دونوں کنارے پر عربی بولنے والے قبائل آباد تھے، جن پر ترکیہ اپنی بالادستی کا دعوی کرتا تھا، بعد میں موجودہ خوزستان پر ایران کے دوبارہ قبضہ ہو جانے سے اس آبنائے پر سرحدی تنازعہ پیدا ہوئی اور ۱۸۴۷ء میں ترکیہ اور ایران کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت عارضی طور پر سرحد کو شط العرب کے دائیں کنارے پر مقرر کیا گیا اور اسکے ساتھ میں ایرانی جہازوں کو پوری آبنائے میں آنے جانے کی آزادی دی گئی تھی، بعد میں روس اور برطانیہ کا ایک سرحدی کمیشن مقرر کیا گیا تھا جس کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ اصل سرحد کی نشاندہی کرے اور آبنائے میں دونوں کے قابل قبول حقوق واضح کرے۔ بہت لمبی چوڑی بحث وتمحیص اور رکاوٹوں کے بعد ۱۹۱۳ء میں برطانیہ اور روس کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس سے ۱۸۴۷ء کے معاہدے میں تبدیلیاں کی گئیں اور ۱۹۱۴ء میں سرحد کا تعین نئے سرے کیا گیا، اس معاہدے کے تحت شط العرب اور اس میں موجود تمام جزیرے سوائے خرم شہر اور ابادان کے بالمقابل چار جزیروں کے ترکیہ کو دے دیئے گئے۔ اس وقت سرحد کو ایک بین الاقوامی قانون کے مطابق شط العرب کے درمیان مقرر کیا گیا کیونکہ بین الاقوامی قانون کے مطابق دو ملکوں کے درمیان دریا یا پانی موجود ہو تو سرحد اس کے درمیان میں ہوتی ہے۔ معاہدے کے تحت ایران کو آبنائے میں آمد ورفت کا حق حاصل رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد عراق کی نئی وجود میں آنے والی ریاست نے خلافت عثمانیہ کے اس حق کو بھی وراثت میں حاصل کیا۔ جو ۱۸۴۷ء اور ۱۹۱۳ء کے معاہدوں کی رو سے اسے حاصل ہوا تھا۔ ۲۰-۱۹۳۰ء کی دہائیوں میں ایران نے ان معاہدوں پر مسلسل نکتہ چینی کی اور تکنیکی وجوہ کی بنا پر یہ مطالبہ کیا کہ پانی کے درمیان سرحد کا بین الاقوامی اصول پوری آبنائے پر لگنا چاہئے۔ عراق نے ان معاہدوں کو لیگ اور نیشنل کی کونسل اور انٹرنیشنل عدالت میں پیش کیا تاکہ اپنے پرانے حقوق دوبارہ حاصل کر سکے لیکن ایران نے عراق کی یہ کوششیں ناکام بنا دیں تاہم عراق بدستور اس آبنائے کو اپنے کنٹرول میں رکھنے میں کامیاب رہا اگرچہ ایران اس بات پر مسلسل جھگڑتا رہا کہ وہ آبنائے کی دیکھ بھال پر صرف ہونے والی رقم میں اپنا حصہ ادا نہیں کرتا دوسری جنگ عظیم کے بعد اس سارے علاقے میں تبدیلیاں رونما ہوئیں خاص طور پر ایران کے مشرقی کنارے میں تیل کی دریافت نے اس تمام علاقے کی اہمیت بڑھا دی ایک طرف تو بھو خرم شہر اور آبادان کی بندرگاہوں کی وجہ سے شط العرب کی ٹریفک میں اضافہ ہوا اور آبنائے کو ۳ کروڑ پچاس لاکھ سالانہ ٹن ریت سے صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی جو ہر سال دریاؤں سے بہہ کر شط العرب میں آتا ہے اس سے عراق پر مالی بوجھ بڑھ گیا دوسری طرف ایران، عراق کی انتظامیہ کو اپنے خلاف کہہ کر ۱۹۳۷ء کا اس معاہدے کو تبدیل کرانے کی کوشش کرنے لگا جس کے تحت اس علاقہ پر عراق کو انتظامی کنٹرول حاصل تھا۔

ایران نے مشترکہ کنٹرول کی تجویز پیش کی ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخری حصے میں سابق شاہ کے دور میں ایران کی طاقت اپنے عروج پر پہونچی تو شاہ نے عراق کی ایرانی ٹریفک پر عائد کنٹرول کو ناقابل قبول قرار دیا۔ مرحوم شاہ ایران عراق کو غیر ذمہ دار انتہا پسند اور گھٹیا ہمسایہ سمجھتے تھے۔ اپریل ۱۹۶۹ء میں مرحوم شاہ نے ۱۹۳۷ء کا معاہدہ ختم کر دیا اور سرحد شط العرب کے درمیان میں قرار دی۔

۱۹۷۵ء میں شاہ نے عراق کو مجبور کر دیا وہ پورے آبنائے کے درمیان میں سرحد تسلیم کرے اور الجزائر میں اس معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ سابق شاہ نے یہ معاہدہ عراق سے اس سودے کے عوض کیا تھا کہ وہ عراق میں کرد قبائل باغیوں کو مدد نہیں دیگا عراق کی طرف سے اس معاہدے پر دستخط عراق کے موجودہ صدر صدام حسین نے کئے تھے جو اس وقت نائب وزیر تھے۔ ایران میں انتشار پیدا ہونے کے بعد ۱۷ ستمبر ۱۹۸۰ء کو عراق صدر نے معاہدہ الجزائر ختم کر دیا اور پانچ دن بعد حملہ کر دیا۔

جب توپوں کی گھن گرج ختم ہو جائے گی شط العرب اس وقت بھی عراق اور ایران دونوں کے لئے اقتصادی طور پر بہت اہم رہیگا اس کے علاوہ یہ علاقہ تمام دنیا کی تیل کی ضروریات کی وجہ سے بہت اہم ہے۔ عراق جب تک ایران کے انتہائی قیمتی علاقے ابادان پر قبضہ کرکے ایک نیا علاقائی جھگڑا شروع نہ کر دے اس وقت تک عراق کو شط العرب کے مستقبل کے بارے میں دوبارہ بات چیت کرنا پڑے گی اور ایسا معاہدہ کرنا پڑے گا جس کی رو سے ایران کی دو تیل کی بندرگاہوں میں بلا رکاوٹ آمد ورفت ہو سکے۔ عراق کو معاہدوں کے قوانین اور تاریخ کی ۱۹۷۵ء تک حمایت حاصل ہے اور اس کے ساتھ اس پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ آبنائے کی دیکھ بھال میں اپنا حصہ ادا کرے۔ شط العرب کا انتظام اسی طرح چل سکتا ہے۔ چنانچہ ایران اور عراق کا جھگڑا ختم کرانے اور نیا قانونی معاہدہ کرانے کے لئے تمام غیر جانبداروں کو خاص طور پر اسلامی ممالک کو فوری طور کوشش شروع کرنی چاہئے۔

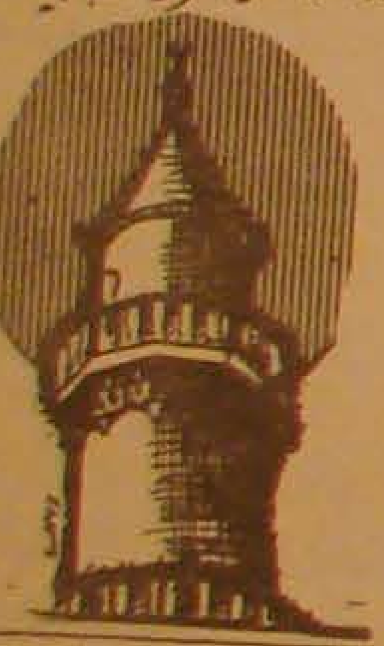

هندوستان کی فارسی صحافت کی تاریخ میں
ایک نئے باب کا اضافہ
سلیس اور زمانۂ حال کی فارسی میں پہلا معیاری، ادبی صحیفہ
ماہنامہ "عبارت" لکھنؤ
قیمت کچھ نہیں ——— وجہ معاونت سالانہ کم از کم Rs. 10/=
تفصیلی معلومات کے لئے پتہ:
رئیس نعمانی۔ ۱۹۱، اصطبل چارباغ، لکھنؤ (یوپی۔ انڈیا)

اللہ میاں کی سوانح عمری

خواجہ حسن نظامی

اللہ میاں کب پیدا ہوئے۔ کہاں پیدا ہوئے اس کی بہت تحقیقات کی مگر کچھ معلوم نہ ہوسکا، جس نے کہا یہی کہا کہ ان کا پیدا ہونا عقل کے خلاف اور ناممکن تھا اس واسطے وہ پیدا ہی نہیں ہوئے اللہ میاں کو اپنی ولادت سے انکار ہے۔ قرآن میں کہتے ہیں "لم یلد ولم یولد" یعنی اللہ نہ خود کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔

یہ بھی باوجود تلاش و جستجو کے معلوم نہ ہوسکا کہ اللہ میاں کس خاندان، کس قبیلے یا کس قوم میں ہیں اور ان کا نسب نامہ کیا ہے۔ قرآن سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صاف کہہ دیا ہے" ولم یکن لہ کفواً احد" یعنی اللہ کا کوئی نسب نہیں ہے۔

پیدائش اور نسب کے بعد سوانح نویس کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ میرے ہیرو کا وطن فلاں مقام تھا اور آجکل وہ فلاں جگہ رہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے تفتیش کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا مگر جس نے کہا یہی کہا کہ اللہ میاں لامکاں اور لاوطن ہیں۔

تحقیقات سے اللہ میاں کی ولادت، قومیت اور سکونت کا حال تو معلوم نہ ہوسکا البتہ یہ بات دریافت ہوئی کہ وہ اس خاکی دنیا میں کب سے رہتے ہیں۔ اللہ میاں کے موجود ہونے کی تاریخ جب سے شروع ہوتی ہے کہ یہ دنیا شروع نہ ہوئی تھی اور سوائے اللہ میاں کے علم میں پوشیدہ ہونے کے ظاہر میں اس کا کچھ نشان نہ تھا۔ اگر کوئی اس دنیا کی نمود یعنی کرۂ زمین کے ظہور سے قبل کے زمانے کو خیال کرنا چاہے تو وہ خیال کرے گا کہ اللہ میاں کے موجود ہونے کی حد ازل کا دن ہے مگر میں کہوں گا کہ اللہ میاں روز ازل سے بھی پہلے موجود تھے۔ ازل شروعات کا غیر معین زمانہ ہے اور ابد اختتام کا غیر محدود وقت ہے۔ اللہ میاں کی ذات ازل سے اوّل اور ابد سے آخر تک پائی گئی اور پائی جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے خود کہا ہے "ھو الاوّل ھو الآخر" یعنی اللہ ہی اوّل ہے اور اللہ ہی آخر ہے۔

اللہ میاں کیونکہ نامعلوم اول سے ہیں اور نامعلوم آخر تک رہیں گے اس واسطے ان کی نسبت عمر، حیات، لائف یا زندگی کا لفظ بولنا ناممکن ہے۔ انھوں نے قرآن میں کہا ہے "ھو الحی القیوم" یعنی اللہ زندہ اور برقرار رہنے والا ہے۔ لہٰذا ان کو زندہ اور قائم تو کہہ سکتے ہیں مگر ان کی لائف یا عمر کو شمار نہیں کر سکتے۔ بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس وقت سے ہیں کہ وقت بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔

ان تمام حالات سے معلوم ہوا کہ اللہ میاں کی ذات اس قدر اعلیٰ ہے کہ مجاز کی فانی زبان اس حقیقت باقیہ کی کیفیت لکھنے سے عاجز ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ اسکی ذات و صفات کے جس قدر مشاہدات اس جسم کی آنکھ سے ہوسکتے ہیں انھیں قلم بند کر دیا جائے اور یہی اس کی سوانح عمری قرار پائیں یا اگر کائنات کی سوانح عمری لکھ دی جائے تو اللہ میاں کی سوانح عمری کا حق ادا ہو جائے گا، کیونکہ کائنات کے مشاہدے سے ہی اللہ میاں کی ہستی کا خیال پیدا ہوا تھا۔

حاصل مقصد یہ ہے کہ اللہ میاں کی سوانح عمری لکھنا بے ادبی ہے۔ میں نے یہ جو لکھا ہے اس سے اللہ کے بندوں کو سمجھانا تھا کہ وہ اپنے معبود کی شان معلوم کریں اور جانیں کہ اس کی حقیقت کا عرفان حاصل کرنا ہو تو اس کی کائنات کا عرفان تلاش کیا جائے اور کائنات کا عرفان جب ہی میسر آئے گا جب خود اپنی حقیقت دریافت کرنے کا شوق ہو پس جو اپنی ہستی کا مطالعہ کرتا ہے وہ کائنات کا عارف بن جاتا ہے اور اس کے خالق کا عرفان بھی اسے نصیب ہو جاتا ہے۔

اسی لئے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے " جس نے اپنے آپ کو جان لیا اس نے خدا کو جان لیا۔"

ندوۂ دیدہ وراں

افتخار الحسن عشق اعظمی ندوی
دہال مقیم

مرکزِ علم و ادب فکر و شعور
دامنِ جلوہ و نظارۂ طور
ندوۂ دیدہ وراں

دیدہ ور ذہن کے افکار کی جودت کا مآل
دانش و علم و ہنر حکمت و فن کی تمثال
چپہ چپہ سے ہویدا ہے شریعت کا جلال
ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے حقیقت کا جمال
ظلمت دہر کے گرداب میں ہے نور فشاں۔ ندوۂ دیدہ وراں

سینۂ نازش کونین کی دھڑکن ہے یہ
قدسیانِ فلک و عرش کا مسکن ہے یہ
خلد کی حوروں کا دھویا ہوا دامن ہے یہ
جو نہ مرجھائے کسی وقت وہ گلشن ہے یہ
گردشِ وقت کے سائے میں ہوا ہے جو جواں۔ ندوۂ دیدہ وراں

آج ساحل پہ امیدوں کا سفینہ آیا
ہاتھ میں دولت عرفاں کا خزینہ آیا
غم کے احساس کے ماتھے پہ پسینہ آیا
مختصر یہ ہے کہ جینے کا قرینہ آیا
زیست کا ہوتا ہے آکر یہاں احساس جواں۔ ندوۂ دیدہ وراں

تو نے انداز محبت کے سکھائے ہم کو
تو نے اسباق حقیقت کے پڑھائے ہم کو
راستے تو نے شریعت کے دکھائے ہم کو
گُر امامت کے قیادت کے بتائے ہم کو
تجھ پہ قربان ہائے لیلائے عقیدت قرباں۔ ندوۂ دیدہ وراں

دھندلی دھندلی سی نظر آتی تھی تصویر حیات
باہمی بغض و عداوت میں گھرے تھے جذبات
بغض و نفرت سے کبھی کھائی محبت نے جو مات
اس نے پھر بڑھ کے سنوارے خم زلف حالات
اور گم کردۂ رہ کو دئے منزل کے نشاں۔ ندوۂ دیدہ وراں

کتنے موہوم خیالوں کو جلا دی اس نے
کتنی امیدوں کی آغوش بسا دی اس نے
مردہ احساس کو جینے کی دوا دی اس نے
رونق بزم قلم کار بڑھا دی اس نے
نقش تقدیر فسردہ کو بنایا تاباں۔ ندوۂ دیدہ وراں

حکمت و دانش و بینش کا ہے تو نقش کہن
اہل فن نے تجھے بخشا ہے نیا پیراہن
تجھ کو شبلی کی نظر نے کیا معمورۂ فن
فیض کے آج بھی جاری ہیں ترے گنگ و جمن
تجھ سے پیاس اپنی بجھاتا ہے ہر اک تشنہ دہاں۔ ندوۂ دیدہ وراں

ذرۂ خاک کو ہم رنگ شرر تو نے کیا
قطرۂ آب کو مانند گہر تو نے کیا
جہل کی شام کو تابندہ سحر تو نے کیا
نالۂ صبح کو پابند اثر تو نے کیا
تو نے انساں کو حقیقت میں بنایا انساں۔ ندوۂ دیدہ وراں

عظمت آدم خاکی کا نگہدار ہے تو
قلب کونین کے ہر درد کا غمخوار ہے تو
جور باطل کے لئے عدل کی تلوار ہے تو
آتش بغض پہ اک شبنمی بوچھار ہے تو
نقش انساں کی محبت کا کیا تو نے جواں۔ ندوۂ دیدہ وراں

قوم و ملت کو دئے تو نے کچھ ایسے معمار
جو ہوئے قافلۂ آدمیت کے سالار
سب میں ممتاز رہا جن کا سیاسی کردار
جن سے اب عالم اسلام کا قائم ہے وقار
جن کی ہر ایک ادا میں ہے نمایاں قرآں۔ ندوۂ دیدہ وراں

عربی اور فارسی کا تعلق

زمانۂ قدیم اور جدید میں

عربی سے ترجمہ: ڈاکٹر احمد نسیم صدیقی

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب عربوں نے فارس پر غلبہ حاصل کیا اور وہ ایران پہنچے تو ان کے ساتھ دو چیزیں یقینی طور پر اس ملک میں آئیں۔ ان میں سے پہلی چیز صحیح دین اسلام اور دوسری چیز عربی زبان ہے عرب اس ملک میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تھے لہٰذا وہ اپنے دین کی نشر و اشاعت کے لئے بھرپور کوششیں کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ عربی زبان کو مقبول عام بنانے میں بھی کافی جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں ان قبائل نے بڑی مدد کی جو مفتوحہ علاقوں میں ہجرت کر جاتے تھے اور ان علاقوں میں ایران بھی ایک تھا اس لئے ایرانی باشندے اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور اس دین کو قبول کر لیا، اس کے بعد وہ عربی زبان کی تعلیم بھی حاصل کرنے لگے تاکہ وہ نئے دین کو سمجھ سکیں اور اپنے نئے حکام سے روابط قائم کر سکیں۔ انکو اسلام اور عربی زبان سے نئی قوت ملی جس نے انھیں دین اسلام اور عربی زبان کے لئے محنت کرنے کی جانب راغب کیا۔ ایرانی طالب علم عربی زبان میں تحریر و تصنیف کا شوق رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔

ثعالبی نیشاپوری اپنی کتاب "فقہ اللغۃ و سر العربیۃ" میں اپنے اس قول سے اس دعوے کی تائید کرتا ہے "عربی زبان ہی میں سب سے بہتر کتاب نازل ہوئی اور عرب و عجم کی بہترین امت پر نازل ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جانب ہدایت دی اور اس کے سینے کو ایمان کے لئے کھول دیا۔ اس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ تمام زبانوں میں عربی بہترین زبان ہے اور اس کی طرف توجہ کرنا اور سمجھنا دین کے کاموں میں سے ہے کیونکہ اس میں دین کی کنجی اور معاش کا ذریعہ اور معاد کی اصلاح . . . ہے، اگر نبوت کے اثبات اور قرآن کے اعجاز کو سمجھنے کے لئے اس میں تبحر نہ ہو تب بھی قوت یقین . . . . . کافی ہوتا ہے۔ دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ ایران نے اپنی زبان فارسی سے تغافل نہیں برتا لہٰذا فارسی ایرانی عوام کے درمیان زندہ رہی۔

فارسی میں عربی الفاظ:

عربی الفاظ، مفردات اور اصطلاحیں دو طریقوں سے فارسی میں داخل ہوئیں۔ اول وہ عربی الفاظ مفردات جو قدیم فارسی کے بہ نسبت زیادہ آسان . . . . ہیں یا وہ بسیط کلمات جو آسانی سے رواج پا جاتے ہیں اور اس کے ہم معنی فارسی الفاظ متروک ہو گئے ہوں۔

دوسرا: وہ عربی مفردات جن کا کوئی دوسرا لفظ ایرانی زبان میں موجود نہیں ہے۔ اس زمرہ میں وہ نئے اسلامی یا سرکاری الفاظ آتے ہیں جو فاتحین کے ساتھ ایران میں داخل ہوئے۔

ان الفاظ کے چند نمونے حسب ذیل ہیں:-

یہ الفاظ پہلوی زبان میں موجود نہیں تھے لیکن بعد میں فارسی میں شامل ہو گئے یہ خالص اسلامی الفاظ ہیں۔ زکوٰۃ، حج، مسلم، کفر، جہاد، منافق، ناسد، خبیث، آیت، قرآن، امامت، طلاق اور قبلہ وغیرہ۔

وہ سرکاری الفاظ جو ایران میں اسلام آنے کے بعد فارسی زبان میں داخل ہوئے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ عربی مہینوں، دنوں اور ہفتوں کے نام، حرب، سلطان، حرس، شرطہ، محتسب، امر اور نہی، کاتب اور کتاب وغیرہ۔

عربی فارسی دریہ زبان:

عربی اور فارسی کے اختلاط کے نتیجہ میں نئے حالات کے تحت ایک نئی زبان وجود میں آئی۔ عربوں کو ایران فتح کئے ہوئے دو صدیاں بھی نہیں گزری تھیں کہ ایک زبان سامنے آگئی جو فتح سے قبل ایران میں رائج پہلوی زبان سے مختلف تھی یہ ایک نئی اسلامی زبان تھی۔ یہ زبان مشرقی ایران میں شروع ہوئی جو لہجہ کے اعتبار سے پہلوی زبان سے مختلف ہے۔ یہ زبان دائیں جانب سے بائیں جانب کو لکھی جاتی ہے اور اس میں عربی حروف بھی شامل کر لئے گئے ہیں جس کے نتیجہ میں حروف کی تعداد ۳۲ ہو گئی ہے۔ اسے فارسی دریہ یا فارسی زبان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو اسلامی دور میں پھلی پھولی اور ترقی حاصل کی۔ زبان کے پھیلاؤ کو مشرقی سمتوں اور شمال مشرقی ایران یعنی قدیم خراسان میں دیکھتے ہوئے (خراسان میں جو ایرانی ریاستیں بن گئی تھیں اور ایک طرح سے آزاد تھیں ان میں فطری طور سے یہ خواہش اور کوشش تھی کہ مزید آزادی ملے اور تختہ حاکم سے تقرب نصیب ہو۔ اسی تقرب کی خاطر وہ اسی زبان میں بات چیت کرتے اور اسی لہجہ کو اختیار کرتے تھے اور اس طرح ایران میں تیسری صدی ہجری سے آج تک دریہ زبان رائج ہے) یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا رجحان اور میلان اپنی اصل زبان کی طرف ہوا اور اسی طرح دریہ زبان کو ایک سرکاری اور ادبی زبان کا درجہ حاصل ہو گیا۔

فارسی زبان کے تغیر کے ۵ مراحل:

عربی زبان کا فارسی کے ساتھ اختلاط حسب ذیل طریقہ سے ہوا ہے:

۱۔ پہلی صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری تک (پہلا دور)

۲۔ چوتھی صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے نصف اول تک (دوسرا دور)

۳۔ پانچویں صدی ہجری کے نصف ثانی سے چھٹی صدی ہجری کے نصف اول تک۔

۴۔ چھٹی صدی ہجری سے بارہویں صدی ہجری تک۔

۵۔ بارہویں صدی ہجری سے موجودہ وقت تک۔

جب ہم فارسی دریہ زبان کی تکوین اور عربی کلمات کی مختلف ایرانی لہجوں میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو ہمارا مقصد دریہ زبان کی تکوین کے پہلے دور سے ہوتا ہے۔ زبان کے ارتقا کا دوسرا مرحلہ جو چوتھی صدی ہجری اور پانچویں صدی پر مشتمل ہے۔ اب اسی زبان میں مزید علمی، ادبی، دینی اور سیاسی اصطلاحات قبول کرنا شروع کر دیا گیا تھا۔ علمی زبان میں بہ نسبت ادبی زبان کے زیادہ عربی الفاظ آئے ہیں، اور یہ بات نظم کے مقابلے میں نثر میں زیادہ عام ہے کیونکہ نثر کا دارومدار عربی اصطلاحات پر ہے جیسا کہ آخر میں فارسی شاعر نے بھی اوزان، بحر و قوافی میں عربی شاعر کا طرز اختیار کیا۔

فارسی دریہ کے ارتقا کا تیسرا دور جو پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر سے چھٹی صدی ہجری تک پھیلا ہوا ہے۔ دو سابقہ دوروں پر بعض خصوصیات اور صفات کی بنیاد پر فوقیت رکھتا ہے۔ ان صفات میں ایک بات یہ ہے کہ اب فارسی زبان اپنے محدود دائرے سے نکل کر عراق، آذربائیجان اور ایران کی تمام مغربی اور جنوبی ریاستوں میں پھیل گئی تھی۔ یہ تمام ریاستیں دارالخلافہ کے اطراف میں واقع ہیں یہاں عربی زبان کا سلسلہ چل چکا تھا۔ عربی قاموس بھی فارسی زبان کے انقلابات سے متاثر ہوئی اور یہ اثر مغلوں کے ایران پر حملہ اور یہاں سے عباسی حکومت کے خاتمہ تک باقی رہا۔ عربی زبان کے اختلاط کی وجہ سے فارسی کو ترقی اور امتیاز حاصل ہوا۔ یہاں تک عربی قاموس وغیرہ فارسی میں داخل سمجھی جانے لگی۔

بلاشک عربی زبان کے اس اختلاط اور تسلط کے بنیادی اسباب ہیں جو اس طرح ہیں۔ اس وقت کے اکثر علماء اور شعراء اسلامی مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے

جن کی بنیاد ہی عربی زبان کی تعلیم و تبلیغ ہوتی تھی اور ان میں علوم شرعیہ اور ادبی و لغوی مضامین کی تعلیم دی جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے طلباء اور ٹریننگ حاصل کرنے والے یعنی اسٹیٹ کے ملازمین اور ایران کی مختلف ریاستوں کے درباروں میں رہنے والے افراد یعنی وہ لوگ جنکو سرکار کے معاملات میں دخل تھا، کا مرکز معلومات اور تعلیم کی بنیاد عربی ہوتی تھی جس کے نتائج ان کی تصنیفات میں ظاہر ہوئے۔ ان میں سے بعض افراد نے غلو کیا اور انھوں نے عربی تعبیرات، مفردات اور ترکیبیں فارسی میں شامل کرلیں۔ فارسی اشعار کے دیوانوں میں عربی اشعار ضرور ہوتے تھے جو صاحب دیوان کی عربی دانی کا ثبوت سمجھے جاتے تھے۔

زبان کے عالموں میں فارسی النسل افراد:

منوچہری الدمغانی، خیام نیشاپوری، امیر خاقانی شروانی اور فریدالدین عطار جیسے فارسی کے عظیم شعراء نہ صرف شاعر تھے بلکہ زبان کے بھی ماہر تھے۔ ان لوگوں نے عربی اور فارسی دونوں ہی زبانوں میں اشعار کہے اور اپنے خیالات و افکار کے اظہار کے لئے عربی و فارسی دونوں زبانوں میں گفتگو کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جس نے ایرانیوں کو عربی زبان بہتر طریقہ سے سیکھنے پر مجبور کیا اور اس کے نتیجہ میں عربی تعبیرات اور ترکیبیں بڑی تعداد میں فارسی میں داخل ہوگئیں۔ بعد ازاں کثرت استعمال کی وجہ سے انھیں فارسی ڈکشنری میں داخل کرلیا گیا۔ "چہار مقالہ" کے اول دو مقالوں میں جو شعر و شعراء اور کتابت کے متعلق ہیں ان حالات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے تحت شاعر اور مصنف میں اس قسم کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

نظامی عروضی سمرقندی کی کتاب چہار مقالہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان اپنے اشعار کی تخلیق کے لئے عربی زبان پر بڑی حد تک منحصر تھی اور اسی لئے فارسی شعراء عربی الفاظ کا بکثرت استعمال کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ایرانی اسلام کی جانب راغب ہو رہے تھے اور صحیح مذہب کی معلومات عربی کے توسط سے ہی حاصل ہو سکتی تھی نتیجتاً فارسی میں عربی الفاظ کا استعمال بتدریج بڑھتا گیا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایرانی نسل نے عربی زبان پر زیادہ توجہ شروع کردی اور ادبی، فکری اور علمی تحقیقاتی کاموں میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لینے لگے آج بھی وہ اپنی اسی روش پر گامزن ہیں۔ عرب ممالک میں بھی ایرانی عربی زبان کے ساتھ اپنا تعلق بنائے ہوئے ہیں اور یہ تعلق اس قدر مضبوط ہے کہ بڑے عربی ادیب زیادہ تر فارسی النسل ہیں۔ انھوں نے عربی زبان پڑھی اور اس پر عبور حاصل کیا۔ جاحظ نے اپنی کتاب میں ابن المقفع، سہیل ابن ہارون، فضل بن سہل، صہب بن عباس اور موسیٰ بن سیار کا ذکر کیا ہے جنھوں نے عربی ادب میں بہترین افسانے لکھ کر اپنا نام روشن کیا لیکن ان کی فارسی فصاحت بھی کسی طرح عربی سے کم نہیں تھی۔ وہ ایک جانب عربوں کے لئے اور دوسری طرف فارسی اہل زبان کے لئے ساتھ ساتھ افسانے لکھا کرتے تھے قرآن مجید کی ایک ہی آیت کی تفسیر عربوں کے لئے عربی میں اور ایرانیوں کے لئے فارسی میں پیش کی ہے۔ ابومسلم خراسانی کو بڑی تعداد میں عربی اشعار یاد تھے۔ برامکہ خاندان ان ایرانیوں میں سرفہرست تھا جنھوں نے بنو عباس کے دور میں عربی زبان میں عبور حاصل کیا اور اس کے توسط سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔

مغربی تہذیب کے عروج کے دور میں:

اس طرح فارسی اپنی ترقی کے تیسرے اور چوتھے دور سے گزری یہاں تک وہ قاچاری دور تک آگئی جو موجودہ مغربی تہذیب کے عروج اور مغرب کے مشرقی خطہ سے اختلاط کا دور ہے۔ مغربی علوم میں ترقی کرنے کی غرض سے ان ممالک نے جو ربط و ضبط بڑھائے اور مغربی ممالک کو تعلیمی وفود بھیجے یہی دو صدیاں قاچاری دور کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان کوششوں کے نتیجہ میں جدید مغربی علمی اصطلاحات اور افکار مشرقی ممالک پہونچے اور ان ممالک نے اپنی نظریں اسی آس پر مغرب کی جانب لگا دیں۔ مزید برآں اپنے عالموں کو چھوڑ کر مغربی علماء کے تحقیقاتی کام کی روشنی میں اپنی ثقافت، زبان اور تہذیب پر از سر نو غور کرنا شروع کیا۔ فارسی زبان میں علم کی تحصیل میں عربی کا مقام حاصل کیا جس کی وجہ سے تعلیمی اور علمی اسلوب میں تبدیلی واقع ہوئی۔ یورپی زبان کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہونے لگا اور اس طرح فارسی نے عربی کی جگہ لے لی حالانکہ عربی ایک علمی زبان رہی تھی اور قدیم علوم کی زیادہ تر کتابیں اسی زبان میں دستیاب ہیں لہٰذا ایرانی مدارس میں اب بھی یہ زبان پڑھائی جاتی ہے۔

ایرانی لغوی سوسائٹی:-

۳۵ سال قبل "فرہنگستان از ایران" کے نام سے ایرانی زبان کی ایک سوسائٹی قائم کی گئی، جس کے ممبر مصنفین اس انداز فکر کے حامل ہیں کہ فارسی زبان کو عربی، ہندوستانی اور ترکی الفاظ سے پاک کیا جائے اور وہ اس زبان کو ان عناصر سے جنھیں وہ غیر ملکی کہتے ہیں اور عربی ادب اور زبان کے تسلط سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں جس کا نتیجہ موجودہ فارسی زبان کی تخلیقات میں ظاہر ہو رہا ہے۔

فارسی زبان اس وقت بھی بڑی حد تک عربی پر منحصر ہے اور عربی کا سیکھنا اور پڑھنا آج بھی ناگزیر ہے۔ عربی قرآن کریم اور سچے دین اسلام کی زبان ہے جو ایران میں اب تک رائج رہی اور جسکی ترقی اور ترویج میں خود ایرانیوں نے زبردست اشتراک و تعاون کیا۔

بمبئی میں
خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
ان کے علاوہ خصوصی پیشکش
ڈرائی فروٹ برفی
بلک کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
فون 320059
برانچ :- ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳

چودہویں صدی ہجری کے آخری سال حج بیت اللہ سے سرفراز ہونے والے خوش نصیب بندوں کی تعداد، جو مملکت سعودی عرب سے باہر آئے

مملکت سعودی عربیہ کی وزارت داخلہ نے چودہویں ہجری کے آخری سال ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں سعادت حج سے بہرہ مند ہونے والے غیر سعودی حجاج کرام کی فہرست سے متعلق ایک پمفلٹ شائع کیا ہے، جس میں ہر براعظم کے ملکوں کے حجاج کرام کی تعداد الگ الگ درج کی گئی ہے۔ فہرست ملاحظہ ہو:-

عرب ملکوں کے حجاج کرام

۱۔ لبنان	۹۷۷۷
۲۔ شام	۳۵۹۹۹
۳۔ مصر	۶۶۱۶
۴۔ عراق	۵۷۲۲۱
۵۔ سوڈان	۲۲۰۷۳
۶۔ لیبیا	۴۲۷۵۷
۷۔ اردن	۲۹۰۲۰
۸۔ عمان	۵۵۴۴
۹۔ یمن	۶۷۵۴۰
۱۰۔ الجزائر	۳۴۶۳۸
۱۱۔ جنوبی یمن	۱۰۰۱۹
۱۲۔ متحدہ عرب امارات	۵۳۷۴
۱۳۔ مراکش	۲۵۶۹۷
۱۴۔ فلسطین	۶۷۵۱
۱۵۔ کویت	۴۳۷۲
۱۶۔ تیونس	۹۱۴۴
۱۷۔ قطر	۱۳۰۷
۱۸۔ بحرین	۲۰۷۹
۱۹۔ صومالیہ	۵۱۰۱
۲۰۔ موریتانیا	۹۶۰
۲۱۔ جیبوتی	۴۵۳
مجموعی تعداد	۴۴۱۹۹۲

غیر عرب ایشیائی ملکوں کے حجاج

۲۲۔ ترکی	۳۴۰۴۳
۲۳۔ ایران	۱۰۵۳۹
۲۴۔ ہندوستان	۲۱۸۸۱
۲۵۔ بنگلہ دیش	۱۰۵۲۲
۲۶ انڈونیشیا	۷۴۷۴۱
۲۷ افغانستان	۴۳۸۶
۲۸ ملیشیا	۱۴۸۴۶
۲۹ پاکستان	۷۸۶۲۴
۳۰ شری لنکا	۵۲۰
۳۱ چین	۱۲۳
۳۲ برونی	۳
۳۳ سنگاپور	۲۴۹۰
۳۴ فلپائن	۱۸۳۶
۳۵۔ تھائی لینڈ	۱۸۳۹
۳۶ دیگر ایشیائی ممالک	۲۶۰
مجموعی تعداد	۲۵۷۷۹۲

باقی افریقی ملکوں کے حجاج کرام کی تعداد

۳۷۔ نبین	۷۱۱
۳۸۔ نائیجیریا	۳۸۰۷۳
۳۹۔ سینیگال	۴۴۳۷
۴۰۔ نائیجر	۳۲۸۵
۴۱۔ ایتھوپیا	۱۱۶۷
۴۲۔ مالی	۳۱۹۲
۴۳۔ اپر وولٹا	۱۸۵۳
۴۴۔ کیمرون	۱۳۷۹
۴۵۔ زائرے	۱۳۲
۴۶۔ یوگنڈا	۱۰۸۲
۴۷۔ تنزانیہ	۹۶۰
۴۸۔ گبن	۸۰۰
۴۹۔ موریتس	۲۷۸
۵۰۔ لائبیریا	۱۲۸
۵۱۔ زیمبیا	۴۵۸
۵۲۔ چاڈ	۶۵۵
۵۳۔ گنی	۲۷۴۶
۵۴۔ گھانا	۱۳۲۹
۵۵۔ توگو	۲۱۸
۵۶۔ جنوبی افریقہ	۱۰۳۲
۵۷۔ آئیوری کوسٹ	۱۷۹۶
۵۸۔ سیرالیون	۲۶۴
۵۹۔ گیمبیا	۵۷
۶۰۔ وسطی افریقہ	۶۴۳
۶۱۔ موزمبیق	۱۸
۶۲۔ جزیرۃ القمر	۵۲۳
۶۳۔ دیگر افریقی ممالک	۱۹۸
میزان	۱۰۷۳۷۹

یورپ، امریکہ، آسٹریلیا

۶۴۔ امریکی ممالک	۲۲۹
۶۵۔ یونان	۳۰۱
۶۶۔ یوگوسلاویہ	۱۲۶۰
۶۷۔ ہالینڈ	۷۱
۶۸۔ فرانس	۶۳۷
۶۹۔ برطانیہ	۲۲۵۹
۷۰۔ اسپین	۴۵
۷۱۔ آسٹریلیا	۳۳
۷۲۔ دیگر ممالک	۲۰۴

۱۴۰۰ھ میں حج کرنے والے ۸۱۲۸۹۲

بقیہ صفحہ ۲، کتاب و سنت سے

چرچا ہوا کہ فلاں نے زانیہ کو صدقہ دے دیا۔ اس شخص کو غلطی کا علم ہوا تو کہا خداوندا ساری تعریف تجھی کو زیبا ہے، میں نے تو زانیہ کو صدقہ دے دیا۔ میں ضرور کچھ صدقہ کروں گا چنانچہ صدقہ کا مال لے کر نکلا اور ایک مالدار کو دے دیا۔ صبح کو پھر اس کا چرچا ہوا کہ ایک مالدار کو صدقہ دے دیا۔ اس نے کہا میرے اللہ سب تعریفیں تجھی کو زیبا ہیں، ایک مرتبہ تو چور کو دے دیا، پھر دوبارہ ایک زانیہ کو دے دیا اور تیسری بار مالدار کو دے دیا۔ پھر آیا تو اس سے کہا گیا کہ چور کو صدقہ دینا بر بنائے مصلحت خداوندی تھا شاید وہ اب چوری سے بچے زانیہ کو دے دینا بھی شاید اس کو زنا سے باز رہنے کا سبب بن جائے، رہا مالدار تو ہو سکتا ہے کہ اس کو تمہارے اس عمل سے عبرت ہو اور خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے وہ بھی خرچ کرے۔ (بخاری)

تیسویں رحمۃ للعالمین صلعم تحریری مقابلے

حیدر آباد — کل ہند مجلس تعمیر ملت کی جانب سے ڈگری کالج، جونیر کالج، ہائی اسکول اور دینی مدارس کے طلباء اور طالبات کے لئے ۳۰ ویں کل ہند رحمۃ للعالمین صلعم تحریری مقابلوں کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ مضامین اردو یا انگریزی میں فل اسکیپ سائز کے ایک ہی رخ پر صاف اور خوشخط یا ٹائپ کیا جائے۔ کالج گروپ اور دینی مدارس کے گروپ کے مضامین ۴۰ صفحات جونیر کالج کے ۳۰ صفحات، اور ہائی اسکول گروپ کے مضامین ۲۰ صفحات سے زائد نہ ہوں۔ مضمون نگار اپنا نام، عمر، معیار قابلیت اور مکمل پتہ مع پن کوڈ علیحدہ صفحہ پر تحریر کرکے اسے مضمون کے سرورق کے طور پر منسلک کریں۔ مضمون کے ساتھ اسکول یا کالج کا تعلیمی صداقت نامہ بھی روانہ کریں۔ عنوانات حسب ذیل ہیں:-

ڈگری کالج گروپ — چودہویں صدی ہجری میں عالم اسلام کا موقف و رجحانات۔
جونیر کالج گروپ — عہد رسالت کا نظم و نسق۔
ہائی اسکول گروپ — ہجرت نبوی کے نتائج۔
دینی مدارس گروپ — اسلام اور پندرہویں صدی ہجری کا امکانی چیلنج۔

انعامات بالترتیب:

انعام اول: ۱۵۰ روپے، انعام دوم: ۱۲۵ روپے
انعام اول: ۱۲۵ روپے، انعام دوم: ۱۰۰ روپے
انعام اول: ۱۰۰ روپے، انعام دوم: ۷۵ روپے
انعام اول: ۱۵۰ روپے، انعام دوم: ۱۲۵ روپے

ان کے علاوہ ترغیبی انعامات بشکل کتب بھی دیئے جائیں گے۔ انعامات کی تقسیم ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۸۱ء کو حیدر آباد میں منعقد ہونے والے ۳۰ ویں یوم رحمۃ للعالمین صلعم کے موقع پر عمل میں آئے گی۔ فیس شرکت ڈگری کالج اور دینی مدارس گروپ کے لئے چار روپے، جونیر کالج اور ہائی اسکول گروپ کے لئے علی الترتیب تین روپے اور دو روپے مقرر کی گئی ہے جو نقد یا بذریعہ منی آرڈر "محمد مشتاق، معتمد تحریری مقابلے، دفتر کل ہند مجلس تعمیر ملت، مدینہ منشن، نارائن گوڑہ، حیدر آباد ۲۹" کے پتہ پر روانہ کئے جائیں۔ ایسے تمام مضامین کے وصول کی آخری تاریخ دست بدست یا بذریعہ پوسٹ ۲۵ دسمبر ۸۰ء مقرر کی گئی ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے دفتر سے ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔ دفتر کا ٹیلیفون نمبر 42523 ہے۔